الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

ارکان کے دو بڑے ستارے

تالیف:

مولانا زبیر احمد بن حضرت مولانا سعید عالم صاحب

ریدوی، ارکانی

تقدیم واصلاح، ترتیب وپیشکش:

محمد طاہر جمال ندوی

ناشر:

دار البحوث والمناصرۃ الاسلامیۃ

چاٹگام، بنگلادیش۔

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

کتاب : ارکان کے دو بڑے ستارے۔

مؤلف : مولانا زبیر احمد بن مولانا سعید عالم صاحب ریدوی ارکانی

مقدمہ : مولانا محمد طاہر جمال ندوی

باراول : ۱۹/اپریل/۲۰۲۶ء

تعداد : ۵۰۰ (پانچ سو نسخے)

ضروری تعاون : حافظ مولوی سلیم اللہ صاحب، مقیم حال مدینہ منورہ

ناشر : دار البحوث والمناصرۃ الاسلامیۃ چاٹگام، بنگلادیش

Email : tahernadwi@gmail.com

ملنے کے پتے : +88-01533091784

جدہ، سعودیہ : +966-576915470

مولانا نور الزمان صاحب، کیمپ: ۱۴، بلاک C/1:

بنگلادیش : +88-01869418630

مولانا حمد کریم صاحب، مہتمم مدرسہ دار العلوم بلال، کوتو فالنگ۔

بنگلادیش : +88-01779969213

فہرستِ عناوین

حصۂ اول

مختصر تذکرۂ شیخ الحدیث

حضرت علامہ جناب مولانا مفتی سلطان احمد بن امین شریف صاحب ریدویؒ

فہرست عناوین.......3
انتساب.......6
عرضِ ناشر.......7
مقدمہ.......8
حصۂ اول.......25
حرفِ اولین.......25
سلسلۂ نسب، ولادت ولقب.......27
تعلیمی حالات وکوائف.......28
تدریسی خدمات.......29
دارالعلوم میانجاپور سے علیحدگی.......30
افتادِ طبع، مزاج وعادات.......32
استقامت کے ساتھ عزیمت پر عمل.......38
حضرت کے چند اسفار.......64
ذکر وعبادات کے حوالے سے مولانا کے بعض معمولات.......66
ارکان میں جہادِ اسلامی کے متعلق حضرت کا کردار.......68
سانحۂ وفات حسرت آیات.......69
مولانا کے مشہور ومشاہیر تلامذہ.......70
حضرت مفتی صاحب کی چند وصیتیں.......73
مولانا کی اولاد.......75
حضرت مفتی صاحب کی خودنوشتہ تحریر کا ایک نمونہ.......79

فہرستِ عناوین

حصۂ دوم

مختصر تذکرۂ حضرت علامہ

جناب مولانا سعید عالم بن مولانا عبدالحکیم صاحب ریدوی ارکانیؒ

حصۂ دوم.......80
سلسلۂ نسب اور ولادت ولقب.......80
دادا حضرت مولانا الحاج عبدالحکیم صاحبؒ.......81
تعلیمی حالات.......84
تدریسی خدمات کی ابتدا.......87
دارالعلوم ریدہ کا قیام.......88
ہجرت کے ساتھ دیگر تدریسی خدمات.......88
وعظ ونصیحت، دعوت وارشاد.......89
حضرت مہتمم کی طبیعت اور مزاج.......91
حضرت مہتمم صاحب کے اسفار.......92
جہادِ ارکان کے متعلق حضرت مہتمم صاحب کا کردار.......95
حضرت کی عبادات.......96
ارادت واجازتِ بیعت.......97
سانحۂ ارتحال.......97
حضرت مہتمم کے مشہور تلامذہ.......101
اولاد.......103
مناجات وابیاتِ متفرقہ.......108/107
حضرت مہتمم صاحب کی خودنوشتہ تحریر کے نمونے.......110/109
مختصر وصیت والدِ گرامی.......111
تاثرات.......113
اس کتاب کے مولف.......152

فہرستِ تاثرات

(۱) عالم اسلام کی دو عظیم شخصیت۔حضرت مولانا صدیق احمد صاحب، مہتمم، شیخ الحدیث ومفتی جامعہ دارالعلوم احمدیہ سعد اللہ سر.................................113
(۲) سرزمین ارکان کے دو روشن ستارے۔حضرت مولانا سعید عالم نینو باساوی، خطیب ارکان، معلم، محدث ومفسر قرآن کریم.................................121
(۳) کمالاتِ مفتی ارکان وخطیب ارکان۔حضرت مولانا ولی احمد صاحب المحدث السابق بالجامعۃ الاسلامیۃ دارالعلوم میانجانفور.................................126
(۴) آہ! حضرت مفتی ارکان۔حضرت مولانا نذیر احمد صاحب سابق صدر المدرسین جامعہ دارالعلوم میانجانپور.................................129
(۵) ہمارے دو محسنین کرام۔مولانا محمد صالح بن محمد سعید ارکانی صاحب، سابق شیخ الحدیث جامعہ خدام الاسلام جیمنگ خالی، ثم جامعۃ الشیخ محمد الیاس محمد ایوب الاسلامیۃ وموسس مدیر معہد ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ.................................131
(۶) تتنزل الرحمۃ عند ذکر الصالحین۔مولانا نور الزمان صاحب، نائب مہتمم الادارۃ الاسلامیہ ریدہ.................................135
(۷) ارکان کے دو عبقری علماء۔مولانا بشیر احمد بن کبیر احمد صاحب، خادم جامعہ اسلامیہ پٹیہ، چاٹگام، بنگلادیش.................................138
(۸) آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔مولوی حامد بن شفیع اللہ، من شرکائے تخصص فی الفقہ جامعہ اسلامیہ ضمیریٹیہ.................................143
(۹) چند نا قابل فراموش یادیں۔حضرت مولانا نور الاسلام آلِ سعید صاحب، حفظہ اللہ تعالی ورعاہ.................................146
اس کتاب کے مولف.................................152
محمد طاہر جمال ندوی کی بعض مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف.................................157

انتساب:

میں اپنی اس حقیر کاوش کو سرزمین ارکان کے جملہ علماء ومشائخ اور تمام کے تمام عظمائے دین وملت اور ملک وقوم کے نام انتساب کر پانے کو اپنی سعادت محسوس کرتا ہوں۔ع

خدا رحمت کند ایں عاشان پاک طینت را

زبیر احمد بن مولانا سعید عالم ریدوی

عرض ناشر:

زیرِ نظر کاوش ''ارکان کے دو بڑے ستارے'' ہمارے وطن کے ممتاز عالم دین، داعی، معلم و مدرس حضرت مولانا زبیر احمد صاحب بن حضرت مولانا سعید عالم ریدوی ارکانی کی زندہ جاوید فکر و عمل کا نتیجہ ہے، جسے مولانا محترم نے آج سے کئے سال پہلے تحریر کیا تھا، ظاہر ہے کہ جس کی تقدیم و اصلاح، ترتیب و پیشکش ہمارے عظیم قلم کار حضرت مولانا محمد طاہر جمال ندوی حفظہ اللہ تعالی ورعاہ کے زوردار قلم اور فکر و عمل سے ہے۔

ہمارے محسن ادارہ ''دارالبحوث والمناصرۃ الاسلامیۃ چاٹگام، بنگلادیش'' کی خوش قسمتی ہے کہ حضرت مولانا محمد طاہر جمال ندوی کی دیگر تقریبا تمام کاوشوں کی طرح اس مفید کتاب کو بھی طبع، اشاعت اور نشر کرنے کی توفیق ہمیں ہوئی ہے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

اب قارئین ناظرین کرام کی ذات عالی صفات سے امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ دوران مطالعہ اس کتاب کی کوئی بھی فروگذاشت پر نظر پڑے تو ادارہ یا مولف محترم کو اطلاع دینے کی زحمت گوارہ کریں گے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب اور مولف کی دیگر تمام خدمات کو شرفِ قبولیت بخشیں، آمین یارب العالمین۔

حافظ محمد طارق جمال

سکریٹری برائے امور نشر و اشاعت

دار البحوث والمناصرۃ الاسلامیۃ

چاٹگام، بنگلادیش۔

مقدمہ:

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الانبیاء و سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ولا عدوان الا علی الظالمین، وبعد:

دنیا کی تاریخ شاہد عیاں ہے کہ سرزمین اسلام ارکان علماء و مشائخ، دعاۃ و مرشدین، بزرگان دین و مصلحین اور دین حنیف کی نسبت سے جینے مرنے اور سر دھڑ کی بازی لگانے والے عظماء کی سرزمین ہے، جنوبی مشرقی ایشیاء کی اس پاک سرزمین نے اپنے روشن اور تابناک ماضی میں ایسے ایسے عظماء اور برگزیدہ ہستیوں کو پیدا کیا، جن کی یاد و تذکار سے دل مارے خوشی کے باغ باغ اور دماغ فرطِ مسرت سے روشن اور تاباں ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ ماضی قریب و بعید میں ایسی برگزیدہ ہستیاں تو انگنت تھیں، جن کی اعداد و شمار ممکن نہیں، تاہم خدا کا شکر ہے کہ خاکسار ہیچمداں نے ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' کے عنوان سے ان میں سے جن بعض بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے، وہ بھی آج تک بحمد اللہ پندرہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ایک سلسلہ بن چکا ہے، جن میں سے چھ مجلدات چھپ کر منظر عام پر آ چکے ہیں، باقی مجلدات زیر نظر اور زیر کتابت ہیں، **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔

سوانح نگاری کے حوالے سے یہاں میرے محترم فاضل گرامی قدر مولانا زبیر احمد بن حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی، بلی بازاری، منگڈوی داد تحسین اور خراج عقیدت کے مستحق ہیں کہ آپ نے اپنے شیخ و مربی، دور آخر میں سرزمین ارکان کے عظیم المرتبت عالم دین حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدویؒ اور ان کے اپنے والد و استاد اور ارکان کے ایک عظیم

داعی و مصلح، معلم و منتظم گرامیٔ قدر محترم حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدویؒ کی مختصر سوانح عمریاں لکھ کر نہ صرف ہم جیسے ہیچمدانوں پر احسان کیا ہے، بلکہ ناچیز کی رائے میں ہماری آنے والی نسلوں پر بھی بھاری احسان کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا کی یہ اور ان جیسی ممکنہ کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے، اور ان کی حیات میں برکت عطا کرے، آمین یارب العالمین۔

سرزمین ارکان کے عظیم عالم دین، معلم، مدرس و منتظم، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلطان احمد صاحب بن امین شریف کی پیدائش ۱۹۰۲ء میں شمالی منگڈو کے ریدہ نامی گاؤں میں ہوئی، بستی ریدہ کو جوبلی بازار اور سعد اللہ چر کے درمیان واقع ہے آپ کی ذات عالی صفات سے بڑا فخر حاصل ہے، آپ کی پیدائش کے حوالے سے بطور مبشرات حافظ مولانا محمد صدیق رقمطراز ہیں کہ:

> ''عامۃ الناس کو تو پتہ نہیں تھا کہ یہ لڑکا ایک دن مفتی اعظم ارکان کہلائے گا، لیکن اس کا اندازہ حضرت کی والدہ محترمہ کو تھا، کیوں کہ انہوں نے ولادت سے قبل بہت سے خواب اور مبشرات دیکھے تھے، اس لئے حضرت کو انتہائی ناز و نیاز سے پالا گیا تھا۔ مفتی صاحب کی والدہ کا بیان ہے کہ لڑکا پیٹ میں تھا، ایک بزرگ جبہ اور عمامہ میں ملبوس خواب میں آئے، اور مجھے شاباش دی اور کہا کہ اسے نجات دہندہ سمجھو، اسی طرح اور بھی بہت سے خواب نظر آئے، جن سے میرا دل مطمئن ہوگیا تھا کہ یہ کام کا آدمی ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا''۔

راقم سطور کو حضرت مولانا موصوف کے متعلق ''مفتی اعظم ارکان'' ہونے کا پتہ تو نہیں، یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا اس قسم کا عظیم خطاب انہی قوم نے دیا یا اور کسی شخص نے، یہ تو عیاں حقیقت ہے کہ سرکاری طور پر اس قسم کا خطاب تو کجا یہاں تو ایک بڑے عالم دین یا صرف عالم ہو کر جینا بھی دشوار تھا اور اب بھی ہے، پھر جہاں تک ''نجات دہندہ'' کا تعلق ہے وہ کس اعتبار سے تھا وہ بھی میرے سمجھ سے باہر ہے، تاہم یہ سچ ہے کہ آپ نے تعلیمی اور تدریسی میدان میں اپنے وطن میں نمایاں خدمات انجام دیں، اسی طرح بعض اعتبار سے

آپ بڑے کام کے آدمی تھے۔

حضرت مفتی صاحب موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے مدارس میں حاصل کی، کچھ بڑے ہوئے تو اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان کی راہ لی، اور پہلے تین سال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھ کر دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، دار العلوم میں آپ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ سید انور شاہ کشمیری، مولانا ابراہیم احمد بلیاوی، مولانا اصغر حسین دیوبندی، مولانا اعزاز علی وغیرہ سے خوب خوب استفادہ کیا، طالب علمی کے زمانے کے بعض خصائل وعادات کے متعلق حافظ محمد صدیق صاحب رقمطراز ہیں کہ:

> ''مفتی صاحب کے رفقاء کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں دار العلوم دیوبند میں برما کے چھ طالب علم ایسے تھے، جن کے نام سلطان احمد تھے، ہر ایک اپنے مخصوص اخلاق واطوار کی حیثیت سے معروف تھا، ان میں مفتی صاحب کم گو، با اخلاق کی حیثیت سے مشہور تھے، اور اکثر فرماتے تھے کہ میرا ذہن کمزور ہے، اس لئے مجھے کھیل کود و دیگر لہو لعب سے دور رہنا چاہئے۔ مفتی صاحب کی محنت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ رات کو گلے میں رسی باندھ لیتے تھے، اور رسی کا دوسرا کنارا چھت کے ساتھ باندھا ہوتا تھا، تاکہ نیند نہ آنے پائے۔ مفتی صاحب کے اندر یہ خصوصیت نمایاں تھی کہ وہ جو کہتے تھے کر گزرتے تھے، گویا آیت ربانی ''**یا ایھا الذین آمنو لم تقولون مالا تفعلون**'' پر عمل پیرا تھے۔ اور امتحان ہال میں جب تشریف لے جاتے تو پورے وقت لکھتے تھے، گویا امتحان ہال سے نکلنے والا یہ آخری طالب علم ہوتا تھا، بڑے آرام سے لکھتے تھے''۔

جہاں تک اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا ذرا کند ذہن کے آدمی تھے، البتہ بڑے محنتی طالب علم تھے، اللہ تعالی نے ان کی محنت میں برکت دی، ویسے آپ خاصے کامیاب ہو کر

وطن لوٹے تھے، اس حوالے سے حافظ محمد صدیق صاحب کہتے ہیں کہ:

’’دوران تعلیم کسی نے مفتی صاحب سے پوچھا کہ غبی ہو، پڑھ کر کیا کروگے، مفتی صاحب نے جواب دیا کہ کم ازکم اپنی اصلاح کرسکوں گا، اچھے برے کی تمیز تو آجائے گی، اور مغز کو چھلکے سے امتیاز کرنے کا سلیقہ تو آجائے گا‘‘۔

حضرت موصوف کے استفادہ کے حوالے سے حافظ محمد صدیق صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

’’ایک طرف مفتی صاحب علوم نبوت کی دولت حاصل کرنے میں مصروف تھے، تو دوسری طرف بین الاقوامی سیاست دانوں کے سیاسی افکار اور دنیائے کفر کی شاطرانہ چالوں کو بھی قریب سے دیکھ رہے تھے، تاج الہند مولانا ابو الکلام آزاد کی مضمون نگاری وزیر کی، قائداعظم محمد علی جناح کی قائدانہ صلاحیت، مسٹر جواہر لال نہرو کی عیاری اور مسٹر اونگ سائنگ کی مکاری مفتی صاحب کے سامنے تھی، جن سے مفتی صاحب نے بہت کچھ سیکھا‘‘۔

ہمارے سادہ لوح سوانح نگار مولانا حافظ محمد صدیق صاحب کے بیان کے مطابق آزاد کی زیر کی، جناح کی قائدانہ صلاحیت، نہرو کی عیاری، اور اونگ سان کی مکاری سے پتہ نہیں حضرت مولانا سلطان احمد صاحب نے کیا کچھ سیکھا تھا؟ اگر سیکھا تھا تو بڑا خوب اور داد دیئے جانے کے قابل، تاہم آزاد کی مضمون نگاری سے استفادے کا جہاں تک تعلق ہے، وہ تو ظاہر ہے کہ مولانا کی پوری زندگی قرطاس وقلم کی جھنجٹ سے تقریباً پوری طرح پاک تھی، بھلا اونگ سان کی مکاری اونگ سان کے لئے مبارک ہو، ہمارے اس عظیم عالم دین کی پوری زندگی تو اخلاص وللّٰہیت، صفائے قلبی اور جلائے روحی سے عبارت ہے، انہوں نے اپنی پوری زندگی میں جس اخلاص و پاک نفسی کا مظاہرہ کیا وہ ہمارے سامنے سورج کی طرح عیاں ہے، اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی مرقد مبارک پر رحمت کی برسات برسائے، اور ان کے قلب وروح کو شانتی اور سکون مل جائے۔

محترم کرم فرما مولانا حافظ محمد صدیق صاحب حضرت مفتی صاحب کی طالب علمی کے زمانے کے ایک بہت اہم اور نہایت حساس سیاسی کردار کا تذکرہ حضرت مولانا پیر مظفر احمد صاحب مینگزدی سے روایت کرتے ہیں کہ:

’’جولائی ر ۱۹۴۷ء میں برمیوں کا ایک وفد مسٹر اونگ سائنگ کی قیادت میں برطانیہ گیا تھا۔۔۔ آزادئ برما کے سلسلے میں برطانیہ کی عائد کردہ چھ شرائط پوری نہیں کی گئیں، اس لئے مذاکرات ناکام ہوئے، اور مسٹر اونگ سائنگ کف افسوس ملتا ہوا شاہی محل سے نکل گیا، اس کے بعد انجمن خدام الاسلام اور مسٹر اونگ سائنگ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جس کے تحت اراکین خدام الاسلام نے مسٹر اونگ سائنگ کی تائید اور مدد کی، اسی تائید کی وجہ سے مسٹر اونگ سائنگ کو آزادی کا پروانہ مل گیا، جس کی تفصیل راقم الحروف کی کتاب ’’اشک مسلمانانِ ارکان برما‘‘ ص ۶۰ پر ہے، انجمن خدام الاسلام کے اس وفد میں مفتی صاحب بھی شریک تھے، بلکہ اس میں اہم کردار مفتی صاحب کا ہی تھا۔ یہ واقعہ راقم الحروف کو مولانا پیر مظفر احمد صاحب مینگزدی بن جناب حاجی فضل الرحمن فارغ التحصیل ۔۔۔ دار العلوم دیوبند نے مولوی فارہ مکہ المکرمہ میں ایک انٹرویو کے دوران ۱۹۹۸ء میں بیان کیا۔ اس میں سوال یہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب تو ۱۹۴۴ء میں فارغ التحصیل ہوکر برما واپس آگئے تھے، تو مفتی صاحب ۱۹۴۷ء میں ہونے والے مذکورہ مذاکرات میں کیسے شریک ہوئے؟ اس سوال کا صحیح جواب میرے پاس نہیں ہے ممکن ہے کہ مفتی صاحب دوبارہ تشریف لے گئے ہوں، یا فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ فنونات کے لئے ٹھہر گئے ہوں، **واللہ اعلم حقیقة**

الحال و لا یخفی علیه ذرة مثقال"۔

یہ کہیں مولف نے الف لیلۃ ولیلہ کی داستان سرائی تو نہیں ہے؟ صرف زبانی جمع وخرچ کے لئے بڑے انسان ہونے کی ضرورت نہیں، یہ کام ہر کس وناکس کے لئے بہت آسان ہے لیکن اب مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ اب ہم مذکورہ واقعہ کی تصدیق کریں یا تکذیب، تصدیق کرینگے تو زمانہ کہنے لگے گا کہ آیا تمہاری عقل پر کیڑے پڑ گئے ہیں یا دماغ کا توازن بگڑ گیا ہے؟ اور تکذیب کرینگے تو ہم اپنے شیخ وقلندر پر حرف شکایت لانے کے ملزم ٹھہریں گے، کیوں کے اس پورے بیان میں یکے بعد دیگرے چند سوالات خود بخود ابھر آتے ہیں، مثال کے طور پر:

(۱) اونگ سان کی قیادت میں بیان کے مطابق ایک وفد برطانیہ گیا، مذاکرات ہوئے لندن میں، پھر اونگ سان کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کا معاہدہ کہاں، کیسا، کس وقت تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مہا بھارت کے حدود کے اندر کوئی دوسرا برطانیہ بھی تھا، آیا اطراف دیوبند میں لندن نامی کسی گمنام مقام پر اونگ سان اور خدام الاسلام کے وفد (جس کی قیادت حضرت مولانا سلطان صاحب کررہے تھے) کے درمیان مذاکرات اور معاہدہ ہوا ہو، ورنہ تطبیق وجمع کی راہ تو نکالئے نا!

(۲) بیان کے مطابق اونگ سان اور خدام الاسلام نامی تنظیم کے درمیان معاہدہ ہوا تو خدام الاسلام اونگ سان کی تائید کی، ویسے اونگ سان پر عائد کردہ چھ شرائط پوری ہوئیں تو اس کے نتیجے میں برما کو آزادی کا پروانہ مل گیا، ظاہر ہے کہ بڑی اہمیت کی حامل تنظیم اور بڑے پتے اور آن بان کے قائدین تھے۔ گویا ایسا ہوا کہ برما کو صرف اونگ سان نے نہیں بلکہ خدام الاسلام نامی تنظیم جس کے سرغنہ حضرت مولانا سلطان صاحب تھے نے "نجات" دلائی ہو، اتنی اہمیت کی حامل تنظیم اوراس کے قائدین سے برما کے باشندے نہ سہی کم سے کم ارکان کے وہ دل جلے حضرات کو جنہیں سیاست وقیادت، قوم وملت کے مسائل اور مشکلات سے

دلچسپی ہے واقفیت کی بڑی ضرورت تھی اوراب بھی ہے، افسوس ہے کہ ہم اس تنظیم سے واقف ہیں نہ اس کی قیادت کی قائدانہ صلاحیت وکردار سے متعارف، نہ جانے حضرت مفتی سلطان احمد صاحب کے ساتھ مذکورہ مذاکرات میں کون کون شریک وسہیم تھے، نہ جانے اتنی اہمیت کی حامل تنظیم کے ساتھ اونگ سان کا معاہدہ کتنے دفعات پر مبنی تھا، نہ جانے اب وہ دستاویز جس پر قوم کی تقدیر نوشتہ تھی کس لائبریری، کس میوزم یا کس خیالی جزیرہ کی زینت بنی ہوئی ہے؟

(۳) اتنے اہم اور حساس مذاکرات، اتنا نازک اور اہمیت کا حامل معاہدہ، جس کی بنیاد پر مولانا صدیق صاحب کے بیان کے مطابق برما کو آزادی نصیب ہوئی ہو، آخر طلبہ کے ساتھ کیوں؟ حافظ صاحب کے الفاظ میں جن کے سرخیل کا ذہن کمزور، زندگی کھیل کود اور لہو لعب سے دور، جنہی اپنی غباوت کا اقرار، اپنی عدیم الفرصتی کی ایسی شکایت کہ "گلے میں رسی باندھ لیتے تھے، تاکہ نیند نہ آجائے" معاہدہ، مذاکرات، سیادت وسیاست سے کیا لینا دینا؟ آیا ایسے اہم اور نازک مذاکرات کے دوران سرزمین ارکان کے تمام سیاسی لیڈران حضرات اصحاب کہف کی طرح کسی نامانوس غار کے نذر تو نہیں ہو چکے تھے؟ پھر اونگ سان کی وہ کونسی مجبوری تھی کہ طلبہ دارالعلوم (جو اپنے وطن اور اپنی سرزمین سے ہزار میل دور قال اللہ قال الرسول کی تعلیم میں مگن تھے) سے معاہدہ کرنا پڑا تھا؟ ظاہر ہے کہ اونگ سان مکار تھا، تو اس کی "مکاری" وہ اوراس کی قوم کے لئے مبارک، ہم اپنے روشن ضمیر طلبائے دارالعلوم دیوبند پر حرف غلط آنے نہیں دے سکتے، دارالعلوم دیوبند جیسا علمی وفکری ادارہ، جہاں کے بانیان، ارباب بست وکشاد، علماء وفضلاء نہ صرف بلکہ طلباء تک کی فراست وبصیرت ہمارے لئے قابل فخر سرمایہ ہے، کیا یہاں کے ساختہ پرداختہ برمی طلباء کی عقل میں کیڑے یا گھن لگ گیا تھا کہ وہ ایسے نازک، حساس اور پرکٹھن سیاسی مراحل میں ایک پوری قوم کے مستقل اور تقدیر سے بچوں کا کھیل کھیل سکتے تھے؟، برما کی آزادی کے حوالے سے ان طلبا کے کردار وعمل کو سر اہنے کی شکل میں مذکورہ بیان کو ہم ان کی عزت نوازی ہرگز نہیں کہہ سکتے بلکہ ان کی آبرو کا جنازہ

نکالنا ضرور کہہ سکتے ہیں، جناب حافظ محمد صدیق صاحب! خاکم بدہن اور گستاخی معاف۔

(۴) ہم کیا، پوری دنیا کے سامنے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ۱۹۴۷ء میں پیلونگ کے مقام پر برما کی آزادی کے حوالے سے مذاکرات اور تاریخی معاہدہ (جس میں ارکانی مسلمانوں کو دانستہ طور پر نمائندگی کا حق نہیں دیا گیا تھا) کے نتیجے میں برما کو آزادی ملی، جبکہ یہاں ہمارے مورخ صاحب رٹ لگا بیٹھے ہیں کہ ''خدام الاسلام کی تائید و مدد کی وجہ سے مسٹر اونگ سان کو آزادی کا پروانہ مل گیا تھا'' ایسے بیانات پر جتنے بھی روئے رلائے جائے تو بھی کم ہے۔

(۵) محترم مورخ حافظ محمد صدیق صاحب کے مطابق ظاہر ہے کہ معاہدہ اور مذاکرات برما کی آزادی کے حوالے سے تھے، آج تک ساٹھ ستر سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا کہ اس معاہدہ اور مذاکرات کے حوالے سے ساری باتیں پردۂ راز میں رہ گئیں، کیوں اور کیسے؟ اب حضرت شیخ نے مکہ المکرمہ میں انٹرویو کے دوران اپنی عمر کے آخری سرا میں آ کر اس راز کو فاش کر دیا ہے۔ اگرچہ مورخ صاحب نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ مفتی صاحب ۱۹۴۴ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو چکے تھے، اس معاہدہ اور مذاکرات میں شریک کیسے ہوئے؟ (یعنی آپ فارغ ہو کر وطن پہنچ چکے تھے، مذاکرات میں شریک کیسے ہو سکے) حضرت شیخ کے سامنے نہ سہی بعد کے فقرے میں اظہار کر دیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ یہ شبہ حضرت شیخ کے سامنے برملا اظہار کر دیتے، تبھی شاید یہ بن سکتا کہ حضرت شیخ مورخ کے شبہ کا فوراً ازالہ کر دیتے، یا اور کوئی راز کی بات بتا دیتے، اس کے بجائے مورخ صاحب نے ''دوبارہ تشریف لے گئے ہوں، یا فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ فنونات کے لئے ٹھہر گئے ہوں'' جیسے الفاظ میں جو بیان کیا ہے، اس سے ان کا کیا مدعا ہے؟ پھر بھی کیا یہ سوال اپنی جگہ جوں کا توں نہیں رہ جاتا کہ حضرت شیخ نے اتنی اہم بات اتنے عرصہ تک پردۂ راز میں کیوں رکھ دی؟ حضرت مفتی صاحب یا اس معاہدہ و مذاکرات میں شریک و سہیم کسی نے قلمی طور پر نہ سہی زبانی طور پر کبھی

کچھ نہ کہا تو کیا ہم انہیں مرفوع القلم کہہ سکتے ہیں؟۔ حضرت شیخ تو سیاسیات کی گلی کوچوں سے واقف انسان تھے، ان کی زبان مبارک پر اتنی مدت تک تالے کیوں اور کیسے پڑے ہوئے تھے؟ حضرت شیخ کے لئے پوری قوم کے سامنے نہ بن سکی تو بھی زعماء وقائدین قوم کے سامنے بیان کر دینے میں کونسی مشکلات کی دیوار کھڑی تھی؟ حضرت شیخ تو ایک صاحب بصیرت عالم دین، صاحب فراست شیخ طریقت تھے، اب ہم حضرت شیخ کی یادداشت کے متعلق یہ تصور کیسے کر سکتے ہیں کہ آپ کو یہ بات تقریباً ساٹھ ستر سال گزر جانے کے بعد اچانک سرزمین مقدس میں یاد آ گئی ہو، اور یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے کہ آپ کی پوری زندگی جذب و مستی کی حالات میں گزر گئی ہو اور سیاست کی جھنجھٹ سے ٹکر لینے کا ایک بار بھی موقع نہیں مل سکا ہو، جبکہ حضرت شیخ تو حضرت مولانا مدنی کے تلمیذ اور ان کے مجاز بیعت تھے، حضرت مدنی اور ان کے خلفاء کے احوال سے کون اہل نظر واقف نہیں، پھر بھی حضرت شیخ پر جذب کی حالت طاری ہو گئی تو سوال آتا ہے کہ پورے ساٹھ ستر سالوں تک؟ ان باتوں کا جواب کون دے سکتا ہے۔ تاہم حضرت شیخؒ کے متعلق ہمارے قارئین میرے اس تبصرے پر برہم و برگشتہ ہوں تو خاکم بدہن اور گستاخی معاف!

بات تھی مفتی صاحب کی تعلیم کے حوالے سے، بہر حال آپ نے دار العلوم دیوبند سے ۱۹۴۴ء میں فراغت حاصل کر کے سیدھے وطن واپس آ گئے، آپ نے دار العلوم دیوبند کے طرز پر ایک ادارہ کی بنیاد میانجانفور میں رکھی، اس ادارہ کی تاسیس میں آپ کے ساتھ مولانا عبد الحکیم صاحب، مولانا عبد الودود صاحب اور مولانا محمود الحسن صاحب بھی شریک و سہیم تھے، روایت ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس ادارہ کی تاسیس اور تعمیر و ترقی کے لئے حضرت مولانا عبد الجبار المعروف بہ فقیر مولوی صاحب کو مرشد مانا تھا، ہر کام میں ان کے اشارے کو اشارۂ غیبی سمجھتے رہے تھے، الحاصل اس ادارہ کی تعمیر ترقی ملت اسلامیہ ارکان کے لئے کسی روشن چراغ سے کم نہ تھی، اس ادارہ سے بے شمار شمعیں روشن

ہوئیں اور نہ صرف ارکان بلکہ برما کے علاوہ ہندو پاک میں بھی اس شمع کی کرنیں منتشر ہو کر اپنی روشنی او رضیا پاشی سے امت کو راستہ دکھایا ، اور اب بھی ماشاء اللہ اس درسگاہ کی برکات ملک کے طول وعرض میں پھیلی دکھائی دے رہی ہیں ، مفتی صاحب اس دنیا سے چلے گئے ہیں ، مگر ان کا بنا کردہ ادارہ اب بھی مصروف عمل ہے ، اللہ تعالی اس ادارہ کو دوام بخشے اور مفتی صاحب کی روح کو ہر وقت ٹھنڈک پہنچے۔

عام طور پر تو دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہونے والے طلبہ وہیں کسی شیخ سے بیعت ہو کر آتے ہیں ، مگر مفتی صاحب کے متعلق ایسی بیعت کی کوئی روایت نہیں ملتی ، البتہ حضرت مولانا محمد سلطان ذوقؔ ندوی صاحب نے ''تذکرۂ عزیز'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے ، جس سے پتہ چلتا ہے کہ مفتی صاحب ارکان میں پہنچنے کے بہت ہی مدت بعد مولانا میر احمد صاحب کی معیت میں حضرت مولانا مفتی عزیز الحق صاحب سے بیعت کی تھی۔

حافظ محمد صدیق صاحب نے آپ کے چند معاصرین کا تذکرہ کیا ہے ، جو مندرجۂ ذیل ہیں :

(۱) مولانا مفتی عبدالحمید صاحب شجاع فاروی فاضل دارالعلوم دیوبند۔

(۲) حضرت مولانا میر احمد مبارک معروف بہ ناظم صاحب ، سابق استاذ الحدیث مدرسہ احمدیہ سعد اللہ سرو دارالعلوم میانجا نفور۔

(۳) مولانا مفتی امیر حسین صاحب قادر بیلوی فاضل دارالعلوم دیوبند۔

(۴) مولانا عبدالسلام مرنگلوی ، فاضل دارالعلوم ڈابھیل گجرات ، ہند۔

(۵) مولانا عبدالمتین صاحب فاضل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ، یوپی ، انڈیا۔

بلاشبہ حضرت مفتی صاحب کے معاصرین میں مذکورہ جن حضرات علمائے عظام کے نام لئے گئے ہیں ، سب کے سب اپنے وقت میں عظیم المرتبت ہستیاں تھے ، ہر ایک نے اپنی اپنی بساط کے مطابق ملک وملت قوم ووطن عزیز کی خدمات کیں ، مگر ان تمام ہستیوں میں حضرت مفتی صاحب کی شخصیت دارالعلوم میانجا نفور کی خدمات کی وجہ سے نمایاں نظر آتی ہے ، انہوں

نے اس درسگاہ میں بیٹھے علم وفن کی دنیا میں جو ضیا پاشی کی ، ان کے معاصرین میں سے کسی دوسرے کے لئے شاید ممکن نہ ہوسکا ہو ، علاوہ ازیں ان کی شخصیت اس حیثیت سے بھی منفرد نظر آتی ہے کہ انہوں نے قوم کے خلاف آئے دن ہونے والے بعض مظالم کا بے جگری سے مقابلہ کیا تھا ، اس حوالے سے انہوں نے رخصت کے بجائے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا تھا۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض نامور تلامذہ کے نام درج کر دیے جائیں ، تاکہ ناظرین کرام کو اندازہ ہو کہ انہوں نے اس درسگاہ میں بیٹھے دین کی کتنی شمعیں روشن کی تھیں :

1۔ عظیم سیاستدان ، مرد مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا عبدالقدوس مظاہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ، سابق مہتمم مدرسہ خدام الاسلام جیمنگ خالی وبانی روہنگیا جمعیت علماء اور کونسلر بلدیہ برمی کالونی کراچی ، پاکستان۔

2۔ مجاہد فی سبیل اللہ وسیاستدان ونامور قائد حضرت مولانا عقیل احمد قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ، سابق مہتمم مدرسہ شیل خالی وصدر روہنگیا جمعیت علماء ارکان۔

3۔ خطیب ارکان ، عظیم داعی الی اللہ حضرت مولانا سعید عالم بن مولانا عبدالحکیم صاحب ریدوی رحمۃ اللہ علیہ ، سابق مہتمم دارالعلوم میانجا نپور واستاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالسنہ نہلہ ، کوکس بازار ، چاٹگام ، بنگلادیش۔

4۔ حضرت مولانا سید علی صاحب نکھوروی رحمۃ اللہ علیہ بانی وشیخ الحدیث مدرسہ حقانیہ نکھورہ ارکان۔

5۔ مرشد برحق وداعی الی اللہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب لندوسری رحمۃ اللہ علیہ ، مہتمم مدرسہ احمدیہ سعد اللہ چر شالی منگڈو ، وخطیب ارکان وبرما وبنگلادیش ودیگر ممالک اسلامیہ۔

6۔ حضرت مولانا نور العالم بن مقبول احمد صاحب مدظلہ العالی ، سابق صدر المدرسین واستاذ الحدیث دارالعلوم میانجا نپور ومدیر مدرسہ توحیدیہ کیلو/14 ، جدہ ، سعودی عرب۔

7۔ حضرت مولانا رشید احمد بن عبدالجلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم تعلیمات واستاذ الحدیث والتفسیر والنحو والصرف دارالعلوم میانجا نپور ، وبانی ومدیر مدرسہ دارالعلوم رشیدیہ کیلو/

14،جدہ،سعودی عرب۔

8-حضرت مولانا صدیق احمد بن ابوالخیر صاحب ایوب چری مدظلہ العالی شیخ الحدیث ومفتی ومدیر دارالعلوم احمدیہ سعداللہ چر،ارکان۔

9-حضرت مولانا سعید عالم بن مولانا تجمل حسین صاحب نینو باساوی مدظلہ العالی سابق مہتمم دارالعلوم احمدیہ سعداللہ چر ومہتمم مدرسہ صاحب بازار شمالی منگڈو وخطیب ارکان برما وبنگلا دیش ودیگر ممالک اسلامیہ۔

10-حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم وبانی مدرسہ چکی بازار، اکیاب، ارکان۔

11-حضرت مولانا حامد حسین صاحب کیوکٹوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ صوفیہ رنگون برما۔

12-حضرت مولانا محمد حنیف راغب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مدرس معقولات جامعہ دارالعلوم میانجانپور وشیخ الحدیث جامعہ دارالسنۃ نہلہ، کوکس بازار، بنگلادیش وسابق امیر تنظیم ''اتحاد المجاہدین'' ارکان۔

13-مشہور طالب علم ومعروف عالم دین حضرت مولانا دین محمد صاحب فرنگی شہید، راسیدنگی۔

14-حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب مدیر مدرسہ اشرفیہ حقانیہ برمی کالونی، کراچی، پاکستان۔

15-حضرت مولانا نذیر احمد صاحب ہاتھی ماروی رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین واستاذ الحدیث دارالعلوم میانجانپور واستاذ الحدیث فی احدی المدارس حالیہ ریفوجی کیمپ ،کوکس بازار، بنگلادیش۔

16-حضرت مولانا عبدالشکور گارڈبیلی صاحب مدظلہ العالی سابق مہتمم مدرسہ ساتکانیہ فارہ شمالی منگڈو وشیخ الحدیث ومفتی جامعہ دارالسنۃ نہلہ، کوکس بازار، بنگلادیش۔

17-حضرت مولانا ابواحمد صاحب نائن چنگی رحمۃ اللہ علیہ استاذ الحدیث جامعہ احمدیہ سعداللہ چر ومدرسہ دارالعلوم میانجانپور ارکان۔

18-مولانا مسلم صاحب استاد مدرسہ مدینۃ العلوم، نارتھ ناظم آباد، کراچی، پاکستان

19-مولانا کمال الدین قاسمی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ حقانیہ لانڈھی، کراچی، پاکستان۔

مفتی صاحب رخصت پر نہیں ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے تھے، ان کی زندگی میں بہت سے واقعات ایسے نظر آتے ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک مرد مجاہد کی طرح میدان میں دشمن سے مقابلہ کرنے سے کبھی نہیں تھکتے تھے، اس باب کا ایک واقعہ حافظ محمد صدیق نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، تو لیجئے تفصیل حاضر خدمت ہے:

> ''دسمبر ۱۹۹۳ء میں حکومت برما کی طرف سے ایک سمن (حکم نامہ) جاری ہوا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ منگڈو کے آس پاس کے علاقوں میں سے بیس بیس خوبصورت غیر شادی شدہ کنواری دوشیزائیں کو میر کھالی فوجی چھاؤنی میں پہنچادی جائیں، ہر ایک لڑکی کو اس کا باپ یا محرم لے کر آئے۔ ان لڑکیوں کو چھ ماہ تک اس چھاؤنی میں رہنا ہوگا اور کسی کو بھی ان سے ملنے کی اجازت نہ ہوگی، نہ یہ لڑکیاں باہر جاسکیں گی، اس مدت میں انہیں صنعت وحرفت اور دستگاری وغیرہ ہنر سکھائے جائیں گے۔ نیز بیس دسمبر بروز پیر تک یہ لڑکیاں مع والد چھاؤنی میں پہنچ جائیں ، خلاف ورزی پر سخت ترین کاروائی کی جائے گی۔ اس حکم نامہ میں مطلوبہ تمام لڑکیوں کے نام درج تھے، جس میں مولویوں کی لڑکیوں کے نام سرفہرست تھے، جب والدین لڑکیوں کو لے جانے کے بجائے فوجی چھاؤنی میں خود پہنچ گئے تو ان پر ظلم وستم کے جو پہاڑ ڈھائے گئے وہ وہی جانتے ہیں، چشم فلک نے آج تک اس قسم کی پٹائی نہ دیکھی ہوگی، مسولینی، ہٹلر، چنگیز خان اور ہلاکو خان کو بھی اس کی حیا سوز سخت کاروائی کی نہ سوچھی ہوگی۔ یوں تو اس چکی میں بہت سے لوگ پیسے گئے، خاص

کہ جن علماء کو سخت سزا ہوئی اور داڑھی منڈوادی گئی ان کے نام یہ ہیں:

مفتی اعظم مولانا سلطان احمد صاحب، فاضل دار العلوم دیوبند۔

تبلیغی امیر جناب نبیہ حسین صاحب۔

مولانا جعفر علی صاحب۔

مولوی ظفر احمد صاحب۔

مولوی ابوالحسن صاحب۔

مولانا نور احمد صاحب۔

مولانا ضیاء الحکیم صاحب داماد مولانا مفتی میر احمد صاحب۔

علاوہ ازیں مولانا محمد اسلام صاحب پر جو قیامت بپا ہوئی اس کی تفصیل صاحب البیت مولانا ضیاء الحکیم صاحب کی زبانی ماہنامہ ''الرباط'' جمادی الاولی/ ۱۴۱۵ھ مطابق نومبر/ ۱۹۹۴ء میں طبع ہو چکی ہے، بالجملہ جن فوجیوں نے مفتی اعظم ارکان کو زدوکوب کیا، داڑھی کاٹی، ننگا کیا، مادرزاد حالات میں پٹائی کی اور دیگر حیاء سوز ایسے مظالم کئے جن کے نام لینے سے انسانی سر شرم سے جھک جاتا ہے، انہیں فوجیوں نے علاقے کے بہت سے دیگر علماء کو ان مظالم پر مطلع کیا، اور مشاہدہ بھی کرایا، تاکہ (ان کے مطابق) عبرت حاصل ہو، جب دیگر علماء نے مفتی اعظم ارکان کی ناقابل بیان حالات دیکھے تو انہوں نے ایک فتوی جاری کیا، جس میں مکتوب تھا کہ مفتی اعظم ارکان چونکہ کبر سنی سے گزر رہے ہیں، اس لئے ان کا دماغی توازن درست نہیں ہے، وہ پاگل ہیں، ان کا رقم کردہ فتوی ٹھیک نہیں ہے، فلہذا ان کے جاری کردہ فتوے پر انہیں زدوکوب کا نشانہ بنانا ناروا سلوک ہے۔ مفتی اعظم ارکان کا فتوی یہ تھا کہ پردہ ضروری ہے، مذکورہ طریقہ کے مطابق لڑکیوں کو بلا محرم

وہاں چھوڑ دینا ناجائز ہے۔ جن علمائے کرام نے مفتی اعظم ارکان کے فتوی کو غلط اور مفتی صاحب کو پاگل کہا، ان کا مقصود مفتی صاحب کو بچانا تھا، کیونکہ مفتی صاحب پر بے تحاشا ظلم ہو رہا تھا، بال کٹوادئے گئے تھے، داڑھی منڈوادی گئی تھی، اور انہیں کال کوٹھری میں مادرزاد حالات میں رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے علمائے کرام کو بلا کر فرمایا کہ ۹۲ سال کی طویل عمر عیش وعشرت میں گزر گئی ہے، جب امتحان کا موقع آیا اور آزمایش کی گھڑی آپہنچی تو تم مجھے پاگل قرار دیتے ہو، واہ! شاباش اس بوڑھے مفتی کی استقامت اور عزیمت پر کہ جان جاسکتی ہے لیکن رخصت پر عمل نہیں ہوسکتا اور نہ دامن سنت چھوڑ سکتا''۔

شوال/ ۱۴۲۰ھ کے اواخر میں حضرت مولانا علاج کے سلسلے میں بنگلا دیش تشریف لائے تھے، دراں حالیکہ راقم سطور ''دار الانصار الخیریہ'' میں مدرس تھا (دار الانصار اس وقت حوالی شہر چاٹگام میں تھا) غالبا دار الانصار کے مدیر محترم حضرت مفتی مولانا سعید عالم سید حسین نے آپ کو اس درسگاہ میں آنے کی دعوت دی ہو، کہ آپ تشریف لائے تھے، آپ کی تشریف آوری پر ایک مختصر سا جلسہ کیا گیا تھا، آپ نے طلباء اور مدرسین کے سامنے چند کلمات بیان کئے، سکت بالکل نہیں تھی، آواز پست ہو چکی تھی، پھر بھی میں نے ان کے کلمات سے جتنا اخذ کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''علماء اور طلباء کو بتانا چاہتا ہوں کہ حصول علم اسلام میں فرض ہے، اگر علمائے دین علم سے دور رہیں گے تو یہ میدان خالی رہ جائے گا، دین کے کام میں اخلاص وللّٰہیت ہے تو اللہ تعالی کی برکت شامل رہے گی''۔

بعد ازاں علاج کے بعد وطن تشریف لے گئے، اور ۲۷/ ذی الحجہ/ ۱۴۲۰ھ/ ۳/ اپریل/ ۲۰۰۰ء میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی کے تلامذہ میں حضرت مولانا سعید عالم

صاحب ریدویؒ ایک عظیم داعی الی اللہ اور قابل قدر مدرس و منتظم تھے، جو میرے والد مرحوم حضرت مولانا الحاج حافظ جمال الدین احمد صاحب نائن چنگیؒ کے ہم عصر اور ایک روایت کے مطابق ہم جماعتوں میں سے تھے، چنانچہ بچپن اور لڑکپن میں میں نے اپنے والد بزرگوار سے حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا، یہاں شنیدہ ساری باتیں نقل کی جائیں تو خدانخواستہ اندیشہ ہے کہ بات بڑی طویل ہو جائے گی، جو اس عجالہ میں ممکن ہے اور نہ ہی کوئی ضرورت، تاہم اتنی سی بات اجمالا بتا دیتا ہوں کہ حضرت مولانا سعید عالم صاحب نے اپنے بچپن اور لڑکپن سے لے کر اپنی زندگی کے آخری ایام تک اپنے لائق شیخ و مربی اور قابل قدر استاد حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی کے ساتھ پیوست تھے اور ساتھ دیتے رہے اور ہمیشہ وفا نبھاتے رہے تھے۔

حضرت مولانا سعید عالم صاحب کو میں نے پہلی مرتبہ غالبا ۱۹۸۰ء میں یا اس کے بعد کے سال جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ میں دیکھا تھا، بعد صلوۃ ظہر آپ جامعہ میں تشریف لائے تو ایک جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں تمام اساتذ اور طلباء حاضر تھے، اس جلسے کے سامنے آپ نے قدرے طویل اور پر مغز خطاب کیا، پورے خطاب تو یاد نہیں تاہم اس درج ذیل بیت کے ساتھ آپ نے اپنے خطاب کی تکمیل کی تھی، جو آج تک مجھے یاد ہے:

بے عشق نبی جس نے لیا درس بخاری
آتا ہے بخار اس کو بخاری نہیں آتی

غالبا ۱۹۸۲ء کا زمانہ تھا کہ میرے دادیہال نائن چنگ، منگڈو میں والد محترم کی زیر قیادت میرے چچوں نے میرے دادا مرحوم کے ایصال ثواب کے بطور کھانے کی ایک بڑی دعوت کی، جس میں بطور واعظ حضرت مولانا سعید عالم صاحب کو بھی دعوت دی گئی تھی، مولانا میرے چچا حضرت مولانا ابو احمد صاحب نائن چنگی (سابق محدث و شیخ الحدیث دار العلوم میانجانپور و دار العلوم احمدیہ سعد اللہ سرو غیرہ) اور چند دیگر علمائے کرام وطلباء کی جھرمٹ و

معیت میں نائن چنگ تشریف لائے، چنانچہ رات گئے تک آپ نے پند ونصیحت کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی تھی، جس سے مجھے بھی بہت ہی فائدہ ہوا تھا، اللہ تعالی آپ کی قبر مبارک پر باران رحمت برسائے، آمین۔

بہر حال میرے محترم ومکرم فاضل گرامی حضرت مولانا زبیر احمد صاحب (صاحب زادۂ گرامیٔ قدر حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی وتلمیذ خاص حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی) بڑے شکر وسپاس کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے عظیم والد کے ساتھ اپنے لائق و فائق شیخ حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی رحمہم اللہ کی سوانح حیات لکھ کر ہم جیسے غریبوں پر بھاری احسان کیا ہے، آپ کی گرانمایہ تحریر سے امید نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ حال ومستقبل کی ہماری نسلیں اس سے ضرور مستفید ہوسکیں گی، دعا ہے کہ اللہ تعالی مولف محترم کی صحت اور حیات میں برکت دے، اور مزید توفیق سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

خاکسار/

محمد طاہر جمال ندوی

چاٹگام، بنگلادیش

۰۴/۱۱/۲۰۲۵ء

حصۂ اول

مختصر تذکرۂ شیخ الحدیث حضرت علامہ جناب مولانا مفتی سلطان احمد بن امین شریف صاحب ریدویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اولین:

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام عل نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان إلی یوم الدین، امابعد:

سلف وخلف میں ہمیشہ سے اپنے مقتداؤں کی سوانح حیات کے ضبط کا دستور ومعمول چلا آرہا ہے، اوران میں بھی خصوصیت کے ساتھ ممتاز ومقتدر شخصیتوں کی سیرت وسوانح کا تحفظ اوربھی زیادہ اہم سمجھا گیا ہے، اس سے ظاہری وباطنی فوائد بیان کئے گئے ہیں، ان ہی فوائد کی مصلحت کے پیش نظر میری آرزو یہی رہی تھی کہ استاد محترم حضرت شیخ الحدیث مفتی ارکان مولانا الحاج سلطان احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم میانجانپور و بانی الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ بشمول والد محترم حضرت العلامۃ الحاج مولانا سعید عالم صاحب رحمہ اللہ تعالی مہتمم دارالعلوم میانجانپور ومہتمم دار العلوم ریدہ، بلی بازار شالی منگڈو کے تذکرے ضبط تحریر میں لائے جائیں، لیکن اس مہتم بالشان کام کے لئے بعض

دیگر امور سے فارغ ہونا بہت ضروری تھا، چنانچہ ظاہر ہے کہ یہ کام فی نفسہ صعوبت سے خالی نہ ہونے کے سبب سے عرصۂ دراز تک اس کی نوبت نہیں آئی تھی اور کام آئے دن ٹلتا ہی رہا تھا، اللہ تعالی کا شکر واحسان ہے کہ ویسے ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد درس وتدریس سے فارغ رہنے کی شکل میں کچھ اوقات میسّر ہوگئے، چنانچہ اللہ تعالی کا نام لے کر اوراس پر بھروسہ وتوکل کر کے لکھنے کی جو کچھ ہمت کی گئی ہے، وہ ناظرین وقارئین کرام کے سامنے حاضر خدمت ہے۔

اہل علم ودانش کوبخوبی معلوم ہے کہ مذکورہ دونوں حضرات کا شمارنہ صرف ارکان وبرما کے جید وممتاز علماء میں تھا بلکہ دونوں کے دونوں پورے ارکان، برماو بنگال کے چوٹی کے علماء ومشائخ کی صف اول میں ایک بلنداورممتاز مقام کے حامل وما لک تھے۔

یہ امر بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ کسی بھی صاحب فضل وکمال ہستی کی سوانح حیات لکھنا ان کے ہم پلّہ اہل قلم کوزیب دیتا ہے، لیکن اس حوالے سے بھی مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ ایک طویل زمانہ گذر جانے کے باوجود ان دونوں حضرات کی شایان شان سوانح حیات کہیں نظر نہ آئی تو بندہ ناچیز ان دونوں حضرات کے متعلق کچھ لکھنے کوضروری سمجھا ہے۔

آخر میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ میں ایک عام آدمی ہوں، جو لکھنے کا سلیقہ نہیں رکھتا ،لہذا ناظرین کرام سے امید ہے کہ وہ میری نگارشات وعبارات کے حسن وقبح پرنظر رکھنے کے بجائے اصل مقصد و ہدف یعنی ان دونوں بزرگ ترین حضرات کی حیات وحالات طیبات پرنظر رکھیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی احقر کی ظاہری وباطنی غلطیوں کو معاف فرماکر اس عمل کومقبول ونافع بنائے، اوران دونوں حضرات کوجنت الفردوس میں جگہ عطافرمائے، آمین یارب العالمین۔

سلسلۂ نسب، ولادت ولقب:

حضرت مفتی صاحب کا نام بشمول آپ کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے: سلطان احمد بن امین شریف بن امیر علی اور لقب مفتی صاحب ہے (لوگ ہر کہیں آپ کو اسی لقب سے پہچانتے تھے اور اب بھی پہچانتے ہیں) آپ کی ولادت با سعادت بقول آپ کے 1902ء کو بروز پیر شمالی منگڈو کی بستی ریدہ، بمضافات بلی بازار، ارکان، برما میں ہوئی۔

آپ کے خاندان کو اپنے علاقے میں مال ودولت اور عزت وجاہ کے اعتبار سے سب سے اعلی وافضل خاندان سمجھا جاتا ہے، آپ کے والد محترم مال ودولت اور جائداد کے اعتبار سے اپنی بستی میں اعلی مقام رکھتے تھے، مولانا اپنے والد صاحب کے اکلوتے بیٹے تھے، ایک دوسرا بھائی تھا، شادی کے فوراً بعد باپ کی حیات میں اس کا انتقال ہوگیا، اس لئے حضرت کو وراثت میں زمین وجائدادیں بہت زیادہ ملی تھیں، جس کی وجہ سے اپنے خاندان کے بعض افراد اور بعض رشتہ دار مارے حسد کے آپ کے ساتھ ہمیشہ جھگڑتے تھے، چنانچہ خود مولانا کو کئی مرتبہ حکومت کی عدالت میں ان کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی ضرورت بھی پیش آئی تھی، آپ حق بجانب ہونے کی وجہ سے ہر ایک میں کامیاب وسرخرو بھی ہوئے تھے۔

حضرت مولانا ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے والدین کے اکلوتے فرزند ہونے کے سبب سے والدہ محترمہ ہمیشہ یہ دعاء کرتی رہتی تھی کہ ”یا اللہ میرے فرزند کے ایک بستر سے سات بستر کردے“ اللہ تعالی نے میری والدہ کی دعاء ایسی قبول فرمائی کہ ابھی چار گنا یعنی اٹھائیس بستر سے بھی زیادہ بستر ہوگئے ہیں، ہمارا گھر لڑکے لڑکیوں اور پوتے پوتیوں کا ڈھیر بن گیا ہے۔

تعلیمی حالات وکوائف:

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب نے ابتدائی اور متوسطۃ کی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی، کہتے ہیں کہ آپ بچپن سے بڑے محنتی طالب علم تھے، ویسے اللہ تعالی نے آپ کو علم دین کی دولت سے نوازا۔

پھر آپ اعلی تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان چلے گئے، وہاں آپ نے جامعہ اسلامیہ دارالعلوم سہارنپور، یوپی میں داخلہ لیا، جہاں تین سال تک متوسطہ کی تعلیم کو اعادہ کیا اور امام النحو حضرت مولانا ظریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرکے بہت جد جہد اور نہایت کوشش کے ساتھ علم نحو میں مہارت حاصل کی، چنانچہ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا علم نحو میں جو مہارت رکھتے تھے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، بہر حال آپ نے وہاں تین سال حصول تعلیم میں گذارنے کے بعد جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں جاکر ثانویہ میں داخلہ لیا، وہاں کے علمی وفکری سرچشموں سے مسلسل سات سالوں تک سیرابی حاصل کرتے رہے تھے، اس مادر علمی میں آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا انوار شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ المعقولات حضرت مولانا ابراہیم احمد بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جیسے متبحر اساتذۂ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرکے علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون پر مکمل عبور حاصل کیا، یاد رہے کہ حضرت مولانا کی سند فراغت دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس میں حضرت مولانا عبد القدوس صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے وصول کرکے حضرت کے پاس بھیج دیا تھا، چنانچہ بندہ ناچیز نے اپنے آنکھوں سے دیکھا اور اندازہ کیا تھا کہ آپ نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ علوم وفنون سے کتنے علوم وفنون میں مہارت حاصل کی تھی۔

تدریسی خدمات:

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وطن واپس آئے، اس کے بعد مدرسہ دارالعلوم احمدیہ سعداللہ چر کے بانی حضرت مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ فقیر مولوی صاحب کے اصرار پر مذکورہ مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے، مولانا وہاں چند سال مدرس رہے، اس دوران جن حضرات نے آپ کی ذات و شخصیت اور آپ کے علوم و معارف سے استفادہ کیا وہ بعد میں سرزمین ارکان و برما کے مسلمانوں کے علمی، فکری اور عملی میدان کے بڑے بڑے رہنما ثابت ہوئے، حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند سے آتے وقت وہاں کے دستور اساسی کی ایک کاپی ساتھ لے کر آئے تھے، جو دارالعلوم دیوبند کے تمام نظام اور جملہ قوانین کے خاکے پر مشتمل تھا، کیوں کہ مولانا کے دل میں فراغت کے معا بعد دارالعلوم دیوبند کے طرز پر ایک مدرسہ ارکان میں قائم کرنے کا جذبہ موجزن تھا، چنانچہ آپ نے دارالعلوم احمدیہ سعداللہ چر کی تدریس کے دوران دارالعلوم دیوبند کے اصول و ضوابط اور نظام و طرز کے مطابق ایک مدرسہ کی بنیاد رکھ دی، جس کا نام دارالعلوم میانجاپور رکھا گیا، پھر کچھ دن بعد آپ نے دارالعلوم میانجاپور منتقل ہو کر تعلیمی اور انتظامی تمام ذمہ داریاں ہاتھ لیں، اور ان ذمے داریوں کو بڑے خلوص و للّٰہیت کے ساتھ ادا کرتے رہے، آپ نے تقریباً پینتالیس سال تک تدریسی اور انتظامی امور انجام دیتے ہوئے اس جامعہ میں گذار دئے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ کی مخلصانہ جد و جہد اور شبانہ روز کی بے لوث محنت و قربانیوں کی بدولت اس مدرسہ نے علمی اور تعمیراتی ترقیوں کے جو مختلف مراحل طے کئے وہ سورج کی طرح عیاں ہیں، جن میں جامع مسجد کا پختہ ڈھانچہ، دارالحدیث کی جدید عمارت، دارالطلباء اور حفظ خانہ وغیرہ کی جدید عمارتیں شاہد عیاں ہیں، پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ مولانا کی مخلصانہ جد و جہد اور لیل و نہار کی کوشش اور محنت کے نتیجے میں دارالعلوم میانجاپور سرزمین ارکان کے سب سے بڑے اور فقید المثال

علمی، دینی، تربیتی و اخلاقی مرکز بن گیا، جس کی ضیا پاشی ملک برما سے نکل کر دور دراز کے ممالک مثلاً سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، پاکستان، ہندوستان، بنگلا دیش وغیرہ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک تک پھیل گئی تھی، الحمدللہ علی ذالک۔

دارالعلوم میانجاپور میں حضرت مولانا سلطان احمد صاحب خود تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ خاص طور پر اساتذۂ کرام کی بھی نگرانی کیا کرتے تھے، اگر کسی مدرس سے کوئی غلطی سرزد ہوئی یا کسی سے کوئی تسامح ہو جائے تو خلوت میں اس کو بلا کر اصلاح فرماتے تھے، اسی طرح مطبخ وغیرہ کی بھی نگرانی کیا کرتے تھے۔

مولانا اضافی وقت یا فرصت میں احاطۂ مدرسہ کے اندر میوہ جات کے درخت اور خوشبودار پھولوں کے درخت اور پیڑ وغیرہ لگایا کرتے تھے، وہیں سے جو کثیر تعداد میں میوہ جات حاصل ہوتے وہی مدرسین اور طلباء کو فروخت کرتے، اس مد سے جو پیسے ملتے انہیں ''بستان دار العلوم'' کے نام سے مدرسہ کے حساب میں جمع کر دیتے تھے۔

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب بڑے آن بان اور شوکت کے عالم دین تھے، مشکل سے مشکل ترین اسلامی اور دینی مسائل کو بہت مختصر اور آسان طریقے سے حل کرنے میں یکتائے روزگار عالم دین تھے، ظاہر ہے کہ مفتی تو تھے ہی، آپ کو عام مفتیوں سے ہٹ کر فتوی نویسی کا کام خوب آتا تھا، چنانچہ آپ اپنے مدرسہ سے مفت میں ہی فتوی صادر فرماتے تھے، فتوی دے کر پیسہ لینا مولانا کو بہت ناپسند تھا، چنانچہ جمعیت علماء وغیرہ کی مجالس میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ فتوی کا کام مدارس اسلامیہ کو بدون اجرت کے سرانجام دینا چاہئے۔

دارالعلوم میانجاپور سے علیحدگی:

دارالعلوم میانجاپور کے بالکل قریب شمال و جنوب میں دو بڑے بڑے بدعتی قبیلے آباد تھے، ان کے اور مدرسہ والوں کے درمیان آئے دن منازعات، مخالفت اور مقابلے ہوتے رہتے

تھے، مدرسہ کے دیگر ارباب بست وکشاد اور اساتذہ وطلباء سے عموماً اور حضرت مفتی صاحب کے ساتھ خصوصاً یہ منازعات شدت پکڑتے رہتے تھے، جب کبھی بھی مقابلہ ہوتا تو حضرت مولانا ان کو دندان شکن جواب دے کر ان کو چپ کرا دیتے تھے، جس کی وجہ سے مخالفت اور منازعات میں شدت پکڑتی تھی، اتفاق سے 1988ء/1989ء میں اس وقت برما میں نیون ڈکٹیٹر فوجی حکومت کے خلاف ملک بھر میں زبردست انقلاب برپا ہوا، اندرون ملک میں ہر کہیں حکومت کے خلاف مظاہرے اور احتجاجات شروع ہو گئے، جس کے نتیجے میں بستیوں کے جرگے گویا کالعدم ہو گئے، مدرسہ کی چاروں اطراف کے من چلے حکمران (جنہیں مقامی زبان میں اوکاٹا، سکریٹری وغیرہ کہا جاتا تھا) معزول ہو گئے، ان کی جگہ عارضی طور پر ان بدعتی قبیلوں کے بعض مفسد لوگ حکمران بن گئے، اسی موقع کو غنیمت سمجھ کر انہوں نے مدرسہ پر تسلط قائم کر کے حضرت مفتی صاحب اور شرپسند مدرس نما عناصر کے درمیان شدید اختلافات سے بھڑک کر غیر معمولی منازعات برپا کر دئے، چوں کہ حضرت مفتی صاحب ایک مصلح عالم دین تھے، چنانچہ آپ نے ہر چند کوششیں کیں کہ ان منازعات کا رفوع کیا جائے (یاد رہے کہ آپ اس دوران مدرسہ کے علاقے سے کچھ دور تھے، اس لئے بھی ممکن ہے کہ آپ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تھے) چنانچہ بالآخر مدرسے پر ان بدعتیوں کا قبضہ ہو گیا تو حضرت مفتی صاحب یہ فرما کر مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے کہ:

> "میں نے یہ مدرسہ ان بدعتیوں کے خلاف اور ہر چند علاقے بھر سے تمام بدعات و خرافات کو مٹانے کے لئے قائم کیا تھا، آج اس پر ان کا تسلط اور قبضہ ہو گیا ہے، اب میرے لئے یہ ممکن ہے ہی نہیں کہ میں ان کے ماتحت ایک لمحہ کے لئے بھی یہاں رہ سکوں، اس لئے میں اس مدرسہ سے اپنی علیحدگی کو مناسب سمجھتا ہوں"۔

حضرت مفتی صاحب نے 1410ھ میں دارالعلوم میانجاپور سے علیحدہ ہو کر 1411ھ میں

اپنی آبائی بستی ریدہ (مضافات بلی بازار، شمالی منگڈو) میں ایک دوسرا مدرسہ بنام (الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ) قائم کیا، جسے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم میانجاپور کے اصول وقوانین اور ضوابط وطرز پر قائم کیا گیا تھا، بعد میں حضرت کی بنا کردہ اس مدرسہ نے بھی دارالعلوم میانجاپور کی طرح کافی شہرت پائی تھی، آپ اسی مدرسہ میں اپنے آخری سانس تک بے لوث خدمات سرانجام دیتے ہوئے اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی تمام خدمات کو قبول فرماتے ہوئے آپ کو جنت الفردوس میں ٹھکانہ نصیب فرمائے، آمین۔

افتادِ طبع، مزاج وعادات:

حضرت کے مزاج میں قدرے گرمی غالب تھی، شریعت کے خلاف کوئی چیز سامنے آجائے تو بڑے خفا ہو جاتے تھے، اور خلاف شرع کسی بھی چیز کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، لیکن ہر چند کوشش کرتے کہ ان چیزوں کا فوراً ازالہ ہو جائے، آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ہر حال میں کوشاں اور ہر وقت سرگرداں رہتے تھے، چنانچہ اپنے محلہ میں شادی کے وقت گانا بجانا، مائکنگ، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈنگ وغیرہ کے استعمال سے لوگوں کو شدید انداز میں منع کرتے اور ہر چند روکا کرتے تھے، اور فرماتے کہ:

> "شادی کی مجلس ایک مسنون مجلس ہے، اور یہ ایک اہم عبادت بھی ہے، چنانچہ یہ سنت کے مطابق ہو جائے تو یہاں رحمت وبرکات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے خیر وبرکت کے اچھے آثار اور ثمرات نمودار ہوتے ہیں، اگر یہ خلاف سنت اور بے ہودگی پر مشتمل ایک مجلس ہو جائے تو فرشتوں کے بجائے یہاں شیاطین جمع ہو جاتے ہیں، تو ظاہر ہے ان کی وجہ

سے یہاں خیر وبرکت کے بجائے شر وفساد کے آثار نمودار ہوتے ہیں‘‘۔

حضرت مفتی صاحب ایک حامی سنت اور ماحی بدعت عالم دین تھے، خلاف سنت وشریعت کسی بھی کام کی مخالفت کے حوالے سے یکتائے روزگار بزرگ تھے، اس حوالے سے مجھے ایک بات یاد آگئی ہے کہ:

’’حضرت مفتی صاحب کی ایک صاحب زادی کی شادی قریبی بستی کے ایک لڑکے سے طے پاگئی، ایسی حالت میں لڑکے کے والد حضرت کے یہاں آیا اور ایک موقع پر کہا کہ حضرت بیٹی تو ہمیں دے رہے ہیں آیا جہیز (زوتوک) میں کیا کچھ دیں گے؟ یہ بات حضرت کے کان پڑی تو آپ نے سنی کو ان سنی کرنے کے انداز میں پوچھا کہ بھائی! ابھی آپ نے کیا کہا، اس نے وہی بات دہرائی تو حضرت نے آگ بگولہ ہوکے فرمایا کہ ٹھیک ہے بھائی آپ نے جہیز کا مطالبہ کیا ہے، جو خلاف شریعت ہے، اس لئے میں آپ کے لڑکے سے میری لڑکی کی شادی قطعاً نہیں کراؤں گا، اب لڑکے کے والد بڑے پریشان ہوگئے، ظاہر ہے مفتی صاحب اپنی باتوں پر اٹل ہوتے ہیں، آخر کار بستی اور علاقے کے بڑے بڑوں کی سفارش پر مفتی صاحب اپنی لڑکی کی اسی گھر میں شادی دینے کے لئے ابھی راضی ہوگئے تھے، لیکن شادی سے کچھ دن پہلے اور ایک مصیبت آن پڑی کہ میکروفون والے آکے حضرت سے کہا کہ حضور! ہمیں معلوم ہے کہ آپ شادی بیاہ کے مواقع میں گانے بجانے کے سخت مخالف ہیں، لیکن ابھی آپ نے جس گھرانے میں اپنی لڑکی کی شادی طے کی ہے، لڑکے والے ہمارے میکروفون کرایا پر لے جانے والے ہیں، تاکہ شادی کے دوران وہاں

علانیہ گانے بجائے جاسکیں، یہ سن کر حضرت بڑے خفا ہوکے لڑکے کے والد صاحب کو بلاکر فرمایا کہ شنید ہے کہ تم لوگوں نے شادی کے دوران گانے بجانے کے لئے میکروفون کرائے پر لے جانے والے ہیں، سنی گئی بات اگر سچی ہے تو سمجھ لیجئے کہ شادی کا وعدہ کالعدم ہے، اب لڑکے کے والد نے کہنا شروع کردیا کہ میں نے ہزار منع کیا لیکن بچے مانتے نہیں ہیں، یہ سن کر حضرت نے فرمایا ان بچوں کو آپ نے جنم دیا ہے یا انہوں نے آپ کو؟ غرض میکروفون کے کرایا کالعدم کرنے کے وعدے پر حضرت وہاں اپنی لڑکی شادی دینے کے لئے رضامند ہوگئے تھے‘‘۔

حضرت مفتی صاحب جس زمانے میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرکے اپنے علاقے تشریف لائے تھے، اس زمانے میں اس پورے علاقے میں بدعت وخرافات کی بھرمار تھی، یہاں جشن عید میلاد النبی سے لے کر فاتحہ خوانی جیسے دیگر خرافات عام تھے، بلی بازار، قاضی آباد، نائن چنگ اور دمبائی غرض پورے علاقے کے تقریباً ہر عام وخاص مسلمان بدعت وخرافات میں مبتلا تھے، مذکورہ علاقہ جات میں چوہدری نما جو زمیندار اور صاحب دولت وثروت حضرات تھے، ان میں سے ننانوے فیصد مسلمان ان خرافات وبدعات کو دین کے اہم فرائض سمجھا کرتے تھے، بہرحال حضرت مولانا نے فراغت کے بعد عزم باندھ لیا تھا کہ وہ اپنے علاقے میں پہنچ کر ان بدعات وخرافات کے قلع قمع کی ہر ممکنہ جدوجہد کریں گے، ابھی آپ اپنے گھر پہنچے تو حضرت سے اپنے والد صاحب نے کہا کہ:

’’بیٹے تم دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد یہاں پہنچے ہوئے ہو، میں جانتا ہوں کہ تم یقیناً یہاں والوں کے دین نما بدعت وخرافات بھری حرکات وسکنات سے نالاں اور برگشتہ ہوگے، لیکن میری طرف سے تمہیں

ایک نصیحت ہے کہ تم یہاں والوں کے خلاف اس باب میں کوئی کام و اقدام نہیں کروگے، ورنہ اندیشہ ہے کہ یہاں کے عام مسلمان تمہارے خلاف ہوکے تم بے دست و پا اور بے یار و مددگار ہوکے رہ جاؤگے، تمہاری مجلس میں کوئی ایک بھی مسلمان شریک نہیں ہوگا، اس لئے تم یہاں والے جو میلاد و قیام کرتے اور فاتحہ خوانی وغیرہ کرتے ہیں اس کی مخالفت نہیں کرنا، لیکن باپ کے اس نصیحت کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ والدمن ! میں ہندوستان سے ایک عالم دین بن کے یہاں آیا ہوں، یہاں آتے وقت میں نے عزم کرلیا تھا کہ میں اپنے علاقہ جات سے بدعت وخرافات کو قلع وقمع کرنے کی حتی المقدور کوشش کروں گا، میرے لئے اب یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں جیتے جی ان بدعات وخرات اور ان بدعتیوں کے سامنے سر تسلیم خم کرلوں، میں اپنی رہتی زندگی تک ان سے حتی المقدور مقابلہ کرتا رہوں گا، چنانچہ آپ نے یہاں پہنچتے ہی ان بدعات اور بدعتیوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا تھا، آئے دن ان کے ساتھ حضرت کا مقابلہ چلتا رہا تھا''۔

قدرت کی عجیب کرشمہ سازی تھی کہ حضرت مولانا سلطان احمد صاحب کو خود اپنے ہی گھر سے ان بدعت وخرافات کو بھگانے مٹانے میں وقت لگا تھا، اس قسم کا ایک واقعہ ایسا منقول ہے کہ:

''حضرت مولانا سلطان احمد صاحب کے والدین بھی کبھی یہاں کے عام مسلمانوں کی طرح ان بدعات وخرافات میں سے بعض کو دین کا ایک جزو سمجھتے تھے، یہاں والوں کی عام روایات کے مطابق وہ جشن جلوس عید میلادالنبی، عرس وغیرہ تو نہیں کرتے، لیکن بارہ ربیع الاول، شب برات، شب قدر اور دسویں محرم الحرام جیسے دنوں کو فاتحہ خوانی کے حوالے سے

بڑے اہم اور مبارک دن سمجھتے تھے، حضرت مولانا گھر پر نہیں ہوتے تو آپ کے والدین چوری چھپے کسی میاں جی کو بلا کر فاتحہ خوانی کرتے کراتے تھے (کیا ہی زمانہ تھا، الحمد للہ آج کل ایسی بدعت ہمارے علاقے میں کم ہوچکی ہے، خدا کرے ہمیں یہ دن دوبارہ نہ دیکھنے پڑے) لیکن ان مذکورہ دنوں میں آپ گھر پر ہوتے تو کھانے اور سالن کی تیاری کے بعد آپ مطبخ میں داخل ہوتے اور بسم اللہ پڑھ کر خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے، حضرت کی ایسی حرکات سے والدین نالاں ہوجاتے اور کہتے کہ بیٹے! تم نے ہمارے فاتحہ ہی کو برباد کرڈالا ہے''۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالی کی مخلوقات، حیوانات اور جانوروں حتی کہ ڈھور ڈنگروں کے ساتھ بہت شفقت رکھتے تھے، حضرت مولانا ہفتے میں صرف جمعرات کو مدرسہ سے گھر آتے اور سنیچر کی صبح سویرے مدرسے کو چلے جاتے تھے، جمعہ کی شام کو سردی کے موسم میں بھینس اور بیلوں کی رات گذارنے کی جگہ کی دیکھبال کرتے، اگر اس جگہ میں کوئی سردی داخل ہونے کی ممکنہ جگہ نظر آتی تو اپنی اولاد کو بہت غصیلے انداز میں ڈانٹتے اور اسے فوراً صحیح کرادیتے تھے، حتی کہ گھر کے کتے کے لئے بھی سردی کے موسم میں رہنے اور سونے کی خاص جگہ بنادیتے تھے۔

مہمان نوازی گویا آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، آپ بڑے ہی مہمان نواز بزرگ تھے، چنانچہ حضرت کا گھر ہر وقت مہمانوں کی آمد ورفت کی وجہ سے گویا مہمان خانہ سے مشابہت رکھتا تھا، آپ مسکینوں، کمزوروں اور بچوں کو بہت محبت کرتے تھے، شادی وغیرہ کی محفل میں کھانا کھلاتے وقت بچوں، غریبوں، فقیروں، مسکینوں اور مجنونوں کو تلاش کرتے اور اپنی نگرانی میں انہیں کھلاتے پلاتے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ فرماتے تھے کہ:

"معاشرے کے امیروں اور سماج میں پائے جانے والے بڑے لوگوں کی دیکھ بھال
کے لئے سینکڑوں اور ہزاروں لوگ ہوا کرتے ہیں لیکن ان بے کسوں، مجبوروں،
بے سہاروں، مسکینوں غریبوں اور ضعیفوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے ہیں"۔

حضرت مفتی صاحب علمائے کرام اور طالب علموں کی عزت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، آپ اپنے جیتے جی کوئی عالم یا کسی طالب علم کی بے عزتی کو برداشت نہیں کرتے تھے، اگر ان میں سے کسی کی بے عزتی ہوجاتی تو فوراً اس کی تلافی کے لئے کوشاں ہوجاتے تھے۔

حضرت مولانا بڑے مستقل مزاج عالم دین تھے، جو کچھ بھی فرماتے شریعت کے مطابق فرماتے اور اسی پر قائم رہتے تھے، اور اگر کسی امر پر عزم کر لیتے یا کسی چیز پر ڈٹ جاتے تو پوری دنیا مل کر بھی آپ کو اس سے ہٹا نہیں سکتی تھی، کاسہ لیسوں کی طرح خلاف شریعت کام کرنے والے حکمرانوں کی بات پر عمل پیرا نہیں ہوتے، اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"تم لوگ دنیا کے حاکم وحکمران ہو، دنیا کے بارے میں ہمیں تمہاری
اطاعت ضروری ہے بشرطیکہ تمہارے حکم شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو،
جب کہ ہم اپنے علاقے میں شریعت کے حاکم وحکمران ہیں، ویسی شریعت
کے بارے میں تمہیں ہماری اطاعت امرلازمی ہے"۔

غرض حضرت مولانا عزم واستقلال، ہمت و پامردی، جواں مردی اور بلند حوصلگی کے کوہِ گراں تھے، کسی قسم کی آزمائش، ابتلاء، امتحان اور مصیبت وآفت سے نہ ہی ڈرتے اور نہ ہی گھبراتے تھے، اور ہمیشہ یہ پڑھتے تھے:

مصیبت میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے زمانے کے مصائب سے رونا نہیں آتا
جری قلم القضا بمایکون+فسیان التحرک والسکون

استقامت کے ساتھ عزیمت پر عمل:

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحبؒ نے شریعت اور اسلام کے خلاف اقدامات کرنے والی حکومت اور حکمرانوں سے جو کئی مشہور ومعروف مقابلے فرمائے تھے، ان میں سے چند واقعات کو نمونہ کے طور پر یہاں لکھا جارہا ہے:

(۱)

غالباً ۱۹۵۱ / ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے کی معروف ارکانی مجاہد لیڈر محمد قاسم بن عطاء اللہ راجا صاحب کولونگی نے حکم جاری کیا کہ اطراف منگڈو اور بوسیدنگ کے تمام معروف و جید علماء ئے کرام عموماً اور کبار علماء ئے ارکان خصوصاً ٹونگی والی مجاہد چھاؤنی میں فوراً حاضر ہو جائیں، تاکہ اُن علمائے کرام سے تائید حاصل کی جاسکے، حکم کے مطابق بعض علماء تو حاضر ہوگئے اور بعض علمائے کرام نے ان کے حکم کو مسترد کرتے ہوئے حاضری دینے سے پہلو تہی کی، جن علماء نے حکم کو مسترد کرتے ہوئے حاضری دینے سے اپنے دامن کو بچایا، ان میں چندوں کو گرفتار کر کے ٹونگی والی چھاؤنی میں لے جایا گیا، جن علمائے کرام کو گرفتار کیا گیا تھا ان میں ایک دارالعلوم میانجانپور کے ذمہ دار حضرت مولانا سمیع الدین صاحب بھی تھے، جن کی رہائش گاہ دارالعلوم میانجانپور کے بالکل قریب تھی، گرفتاری کا مختصر واقعہ اس طرح ہے کہ جبھی ان کو گرفتار کرنے کے لئے مجاہدین ان کی رہائش گاہ آئے تو مولانا اپنی ایک جوان لڑکی کے ہمراہ قریب کی دھان کھیت میں چھپ گئے، موسم برسات کا تھا، بارش بھی خوب ہورہی تھی، مولانا چھپے تو ٹھیک تھے لیکن بارش سے بچاؤ کے لئے سر پر چھتری پکڑے ہوئے تھے، اب مجاہدین نے اندھیاری میں لائٹ دوڑائی تو کھیت کے بیچوں بیچ چھتری نظر آئی، اب ان کو یقین ہو چلا کہ مولانا وہیں چھپے ہوئے ہیں، حاصل کلام

مولانا کی لڑکی کو چھوڑ دیا گیا لیکن مولانا کو گرفتار کر کے ٹونکی والی چھاؤنی کو لے جایا گیا، لہذا ایک طرف قاسم صاحب کی دعوت تھی، پھر دوسری طرف مولانا سمیع الدین صاحب کی رہائی کے لئے حضرت مفتی مولانا سلطان احمد صاحب اور حضرت مولانا قاری عبدالودود صاحب سمیت ایک وفد ٹونکی والی چھاؤنی میں پہنچا، جہاں پہلے سے اطراف منگڈو اور بوسیدنگ کے بہت سارے علمائے کرام حاضر تھے، قاسم صاحب نے علمائے کرام کی خوب مہمانداری کی، رات گئے ایک بڑے اجتماع میں علمائے کرام کو جمع کیا گیا، جس میں مزامیر کے ساتھ گانے اور تالیاں بجانے کے ساتھ رنگ رلیاں شروع کر دی گئیں، اب حضرت مفتی صاحب نے علمائے کرام سے مشورہ کیا کہ اس گانے بجانے اور رنگ رلیوں جیسی غیر شرعی حرکات کے دوران علمائے کرام کو کیا کرنا چاہئے؟ یہ ایک بددینی حرکت ہونے کے علاوہ علمائے کرام کی شان میں زبردست گستاخی اور بے ادبی ہے، لیکن تقریبا سارے علماء نے حضرت کو متفقہ طور پر یہ جواب دیا کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں، قاسم صاحب کے سامنے لب کشائی کی ہمت کسے ہو سکتی ہے؟ لیکن حضرت مفتی صاحب کھڑے ہو کر بابانگ دہل کہنے لگے کہ قاسم صاحب! یہ علماء کرام کی مجلس ہے، جن کی حاضری میں گانا بجانا اور رنگ رلیاں کرنا ایک تو دین اسلام کی منافی اور توہین ہے اور ساتھ ہی ساتھ علمائے کرام کے ساتھ نہایت گستاخی اور سوئے ادبی بھی، لہذا دین کی منافی ان حرکات و سکنات کو فورا بند کیا جائے، اب قاسم صاحب بول پڑے کہ یہ میرا کام نہیں بلکہ فلاں فلاں لوگوں کا کام ہے، یہ کہہ کر انہوں نے حکم دیا کہ علمائے کرام کو یہاں سے دور فلاں جگہ لے جایا جائے، اب حکم کے مطابق حضرت مفتی صاحب سمیت بہت سارے علمائے کو وہاں لے جایا گیا جہاں قاسم صاحب نے اشارہ کیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ ایسے میں بھی بہت سارے علماء وہیں اس رنگ رلیاں والی مجلس میں رہ گئے تھے۔

(۲)

ایک مرتبہ بلی بازار والے ''خاندانِ بلی'' کے نامور زمیندار، دانشور، صاحب اثر و رسوخ شخصیت جناب ماسٹر صالح احمد صاحب نے اطراف کے تقریبا تمام نامور علمائے کرام کو ایک مسجد میں بلا کر جمع کیا، یاد رہے کہ جناب ماسٹر صالح احمد صاحب کے علاوہ اسی وقت اس خاندان کے لوگ زمیندار اور صاحب اثر و رسوخ ہونے کی وجہ سے علاقے بھر کے لوگ ان کے مطیع اور فرمانبردار تھے، جبھی علماء کرام جمع ہو گئے تو ماسٹر صالح احمد صاحب نے کھڑے ہو کے علمائے کرام کے گلے شکوے کے ساتھ بدنامی اور دشنام طرازی شروع کر دی، ایسے حالات میں حاضرین میں سے کسی کی ہمت بھی نہیں ہوئی کہ ماسٹر صاحب کے سامنے احتجاجی یا کلمات اف تک کہے، لیکن حضرت مفتی صاحب کھڑے ہو گئے اور نہایت غصیلے انداز میں فرمایا کہ ماسٹر صالح صاحب! تم علمائے کرام سے گستاخی اور بے ادبی نہیں کر سکتے ،علمائے کرام تمہاری تلوار کے نیچے کوئی دبی ہوئی مچھلی نہیں ہیں، ان کے ساتھ تم جو چاہو بدسلوکی روا نہیں رکھو، ماسٹر صالح احمد صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو ایسی غصیلی حالت میں دیکھا تو خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے، لیکن جعفر میاں صاحب نے کھڑے ہو کر اپنی زبان کھولی اور کہا کہ ہم اسی لئے تو اپنے بچوں کو مولوی نہیں بناتے ہیں، اب حضرت مولانا عقیل احمد صاحب قاسمی کو رہا نہ گیا، اور منہ توڑ جواب دیتے ہوئے کہا کہ تمہاری مولوی نہ بنانے والی بات سرے سے غلط ہے، دراصل بات ہی یہی ہے کہ تم میاں خاندان والوں کے نطفے اور رگ و خون میں مولوی بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، بالفرض تم سب مل کر کسی ایک عورت کے رحم میں نطفہ ڈال تو سکتے ہو لیکن مجھ جیسے ایک عقیل تک پیدا نہیں کر سکتے۔

(۳)

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب بڑے بہادر اور غیور عالم دین تھے، حضرت کے سامنے کوئی بھی انسان سماجی ومعاشرتی اعتبار سے بڑا ہو یا چھوٹا آپ کے جیتے جی کسی بھی عالم دین یا طالب علم کو بے آبرو نہیں کرسکتا تھا، یوں اس حوالے سے درجنوں واقعات مشہور ہیں، تاہم اس عجالے میں ان میں سے ایک واقعہ بطور نمونہ سماعت کیجئے کہ:

"دارالعلوم میانجاپور کے جنوب میں آباد قدیمی مسلم بستی قاضی بیل/قاضی آباد والے معروف سیاست دان اور زمیندار ابوالبشر صاحب کے صاحب زادوں میں سے ایک صاحب زادہ جس کا نام سراج اللہ تھا، وہ باڈی فیلڈر ہونے کے ساتھ مارشل آرٹ کا ماہر تھا، بڑے نڈر اور بہادر ہونے کے اعتبار سے علاقے بھر میں معروف تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ دارالعلوم میانجاپور کی مشرقی بستی ہاتھی مارا سے ایک طالب علم اپنے لاجنگ (جسے یہاں کے مقامی زبان میں جاگیر کہا جاتا ہے) سے کھانا کھا کے مدرسہ آرہا تھا، اسے راستے میں پیشاب کی حاجت ہوئی تو رفع حاجت کے بعد مٹی کے ڈھیلے پکڑے آگے چل رہا تھا، اتفاق سے اس کا سامنا سراج اللہ سے ہوا تو اس نے اس طالب علم کی گالم گلوج کے ساتھ پٹائی کردی، جبھی یہ خبر مفتی صاحب کے ہاں پہنچی تو آپ نے بڑے خفا ہوکے سراج اللہ کو بلاوا بھیجا، لیکن اس نے حاضری نہیں دی تو حضرت نے تہیہ کرلیا تھا کہ اگلے پیر کو منگڈو جا کے سراج اللہ کے خلاف مقدمہ دائر کریں گے، لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا کہ اس ذات وحدہ لاشریک لہ نے اس معصوم اور بے گناہ طالب علم کا بدلہ یوں لیا کہ اس واقعہ کے دوسرے دن سننے میں آیا کہ سراج

اللہ کو گولیوں سے زخمی کردیا گیا ہے، یہ خبر جبھی حضرت مولانا کے کان پڑی تو آپ نے فرمایا کہ اب منگڈو جا کے مقدمہ دائر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بدلہ اللہ تعالی کی طرف سے لیا ہی گیا ہے"۔

(۴)

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحبؒ حق گوئی اور حق کردار کے حوالے سے یکتائے روزگار تھے، حق گوئی اور حق کردار کے دوران کبھی کسی کا پرواہ ہی نہیں کرتے تھے، اس سلسے میں ایک واقعہ یاد آیا ہے، جسے آپ کی زبان سے میں نے کئی مرتبہ سنا تھا کہ شمالی منگڈو کے بلی بازار والے بلی روخاندان جس کو اس علاقے میں "میاں روگوشتی" کہا جاتا ہے، یہ اور اس جیسا ایک دوسرا خاندان جسے "قاضی روخاندان" کہا جاتا ہے، یہ دونوں خاندان اور ان سے متاثرین لوگ بدعت وخرافات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، قیام، فاتحہ خوانی، چہلم وغیرہ سمیت بطور خاص ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو عید میلاد النبی، جشن وجلوس کے ساتھ خوب چراغاں کرتے تھے، مذکورہ دونوں خاندان ایک تو زمیندار خاندان تھے اور رسوخ والے بھی، وہاں ان خاندانوں کے اکثر افراد صاحبان دولت وثروت تھے، وہ لوگ محفل میلاد اور جلوس وقیام میں حاضر ہونے والوں میں سے ہر ایک بڑوں کو ایک روپیہ اور چھوٹوں کو آٹھ آنے دیتے تھے، ایک روز ان کی ویسی ایک مجلس میں حضرت مفتی صاحب بھی حاضر ہوئے، جب وقت قیام آیا تو سارے لوگ یا نبی السلام علیک کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے، حضرت کے قریب کی جگہ خالی ہوگئی تو آپ لیٹ گئے، تاکہ ان لوگوں کی پوری مخالفت ہوجائے، وہاں کا دستور تھا کہ اگر قیام کے دوران کوئی کھڑا نہ ہوا ہو تو اسے کان پکڑ کر کھڑا کردیا جاتا تھا، لیکن حضرت سے معاملہ بالکل برعکس تھا کہ کسی کو ہمت تک نہیں ہوئی کہ حضرت کو کھڑے ہونے کو

بھی کہا جائے، یوں تو جسمانی اعتبار سے حضرت ہلکے پتلے تھے لیکن اللہ تعالی نے حضرت کو ایسا رعب وداب عطا کیا تھا کہ کوئی روبرو مخالفت کی ہمت تک نہیں کرسکتے تھے، آخر میں جب پیسے دینے کا وقت آیا تو ہر ایک کو ایک ایک روپیہ لیکن حضرت کو دو روپیہ دیا گیا تھا۔

(۵)

ہمارے آبائی علاقہ چار بستیوں پر مشتمل تھا:

(۱) دمبائی۔

(۲) ریدہ۔

(۳) بوگیرسر۔

(۴) سعداللہ سر۔

اُن سب بستیوں کے درمیان میں ایک پہاڑ تھا، جسے کاٹ کر ایک بڑی عیدگاہ بنایا تھا، ان چاروں بستیوں کے لوگ عید کے دن بلند آواز سے تکبیر پڑھ پڑھ کے عیدگاہ میں جمع ہوکے ایک ہی جماعت کے ساتھ نماز عید ادا کرتے تھے، کسی زمانے میں حضرت مولانا عبدالجبار معروف بہ فقیر مولوی صاحب عیدین کی امامت کرتے تھے، مولانا کے انتقال کے بعد حضرت مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی کو اس عید کے لئے امام بنایا گیا تھا اور فقیر مولوی صاحب نے لوگوں کے سامنے اعلان بھی کردیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد مفتی صاحب ہی عیدین کی امامت کیا کریں گے، چنانچہ عرصہ دراز سے حضرت مفتی صاحب کی امامت میں عید کی نماز پڑھنے پڑھانے کا دستور چلا آرہا تھا۔

ہمارے طالب علمی کا زمانہ تھا کہ اس علاقے میں دنیاوی لحاظ سے کچھ بڑے لوگ حضرت مفتی صاحب کے سخت دشمن ہوگئے تھے، ان کو حضرت کی امامت میں عید پڑھنا گوار

تو ہوتا تھا لیکن انہیں مخالفت کی طاقت بھی نہیں تھی، ان دشمنوں میں سے ایک نے اپنے ایک کنواری لڑکی گاؤں کے ادھیڑ عمر والے سرپنچ (مقامی زبان میں جسے اوکٹا کہا جاتا ہے) جس کے ہاں دو تین بیویاں بھی تھیں کو اس شرط پر شادی دی کہ وہ اپنی زور بازو سے حضرت مفتی صاحب کو اسی امامت سے ہٹادیں گے، اب سرپنچ حضرت کو مجبور کررہا تھا کہ وہ امامت سے دستبردار ہوکے وہیں کسی دوسرے مولوی صاحب کو امامت کی اجازت دے دی جائے، صرف اتنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس سرپنچ نے حکم دے دیا کہ حضرت کے علاوہ اور ایک مولوی صاحب یہاں کی امامت کریں، پھر حضرت پر یہی الزام لگایا گیا کہ آپ کی آواز بہت نحیف ہوچکی ہے، اس لئے آپ امامت کے قابل نہیں رہے ہیں، لیکن حضرت ڈھٹ گئے کہ میں تو امام ہوں ہی، اگر میں نہیں پڑھاؤں گا تو میں جسے مجاز بنادوں گا وہی امامت کیا کریں گے، اب سرپنچ بولنے لگا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ مولانا سعید عالم صاحب کی امامت میں لوگوں کو نماز پڑھوائیں گے، اب مفتی صاحب فرمانے لگے کہ مولانا سعید عالم صاحب میں کیا خرابی ہے، کیا عیب ہے؟ اس کے جواب میں سرپنچ بولنے لگا کہ یہاں کی امامت آپ اور مولانا سعید عالم صاحب نہیں کرسکیں گے، اب حضرت نے فرمایا کہ سرپنچ صاحب آپ دنیاوی حاکم ہیں اور ہم شرعی حاکم، اس لئے دنیاوی امور میں ہمیں آپ کی اطاعت ضروری ہو تو اخروی یعنی شرعی امور میں آپ کے لئے ہماری اطاعت لازمی ہے، اتنی باتوں کے ہونے کے باوجود سرپنچ صاحب حضرت کی کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ ہم اپنے لوگوں کی معیت اپنے محلے میں نماز عید ادا کریں گے، ادھر عیدگاہ کو ہم نہیں جائیں گے، چنانچہ اسی سال ہم نے عید اپنے محلے میں پڑھی تھی، پھر اگلے سال اس سرپنچ نے حضرت کے یہاں آکر کہنے لگا کہ جناب! اس سال حضرت مولانا محمد ادریس صاحب لندوسری ہمارے یہاں عید پڑھائیں گے، وہاں آپ کو بھی جانا ہوگا، لیکن جواب میں

حضرت نے فرمایا کہ مولوی محمد ادریس صاحب لندوسرا سے یہاں آکر عید پڑھائیں گے تو یہاں کے علماء سارے کے سارے بے آبرو ہو جائیں گے، کیا یہاں کوئی ایسا عالم نہیں جو عید پڑھا سکتے ہوں؟ اسی لئے ہم قطعاً وہاں مولوی صاحب کی امامت میں نماز پڑھنے نہیں جائیں گے، جواب میں سرپنچ نے کہا کہ ہم آپ کے محلے آ کے سارے لوگوں کو وہاں نماز ادا کرنے لے جائیں گے، اور یہاں آپ اکیلے ہی رہ جائیں گے، اب حضرت نے فرمایا کہ نوبت ایسی آئی تو ہم اپنے ہی گھر میں اپنوں کے ساتھ نماز ادا کریں گے، چنانچہ عید کے دن صبح سویرے اس سرپنچ نے ہمارے محلے میں آکر لوگوں کو عید کے لئے بلایا، لیکن دو تین آدمیوں کے علاوہ کوئی اس کے ساتھ نہیں گیا، یاد رہے کہ اسی سال اس عیدگاہ میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب لندوسری نے عید کی نماز پڑھائی تھی۔(۱)

تیسرے سال اس سرپنچ نے آکر حضرت سے کہنے لگا کہ ہم سب مل کر ایک جگہ نماز پڑھنے سے ہمارے اس علاقے کے حاکم بوجی لاسن (BUJI LASON) خوش ہوں گے، یہ سن کر حضرت تیش میں آگئے اور فرمانے لگے کہ تم مشرک اور بد دین ہو گئے ہو، اب تمہی تجدیدِ ایمان کی ضرورت ہے، کیوں کہ تمہاری نماز بوجی لاسن کے لئے ہے، ہم اپنی عبادت اور بندگی کو صرف اور صرف اللہ جل وعلا کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے کرتے ہیں، بہر حال اسی سال کے بعد اگلے اور ایک سال اسی عیدگاہ میں نماز عید پڑھی پڑھائی گئی تھی، اس

---

(۱) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب بذاتِ خود حضرت مفتی صاحب کے شاگردوں میں سے تھے، چنانچہ جبھی مولانا محمد ادریس صاحب نے عید کی امامت کی تو مفتی صاحب نے ان کو بلا کے فرمایا کہ تم نے یہاں آ کے کیوں عید کی امامت کی؟ جواب میں آپ نے کہا کہ حضرت! مجھ سے کہا گیا تھا کہ آپ بھی وہیں نماز پڑھنے آئیں گے، اس لئے میں آیا تھا، اب مفتی صانے فرمایا کہ کیوں میں تمہیں اپنے اہل وعیال کو چھوڑے یہاں عید کی امامت کے لئے بلاؤں؟ بہر حال حضرت مفتی صاحب آپ پر قدرے ناراض رہے، لیکن جبھی آپ کا انتقال ہو گیا تو مفتی صاحب نے ان کی قبر مبارک پہ جا کے ان کو معاف کر دیا تھا۔

کے بعد آج تک کے لئے اس عیدگاہ میں عیدین کی نمازیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں، اس کے بعد لوگ اپنے اپنے محلے میں نمازِ عید ادا کرنے لگے تھے۔

(۶)

معروف ناکام من آپریشن سے کچھ مہینے پہلے ۱۹۷۸ کا واقعہ تھا، والد محترم حضرت مولانا سعید عالم صاحبؒ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کے بعد مدرسہ کی خیر خواہی کے حوالے سے کچھ کام کر کے وطن واپس ہوئے تھے، اب ہمارے علاقے کے شر پسند کمیٹی والوں نے پولیس لا کر والد صاحب کو نیند سے جگا کے گھر سے گرفتار کر کے لے گیا تھا، اب کچھ دور جا کر ان لوگوں کے متعلقہ ایک گھر میں مجلس کر کے اس ضمانت پر چھوڑا گیا کہ صبح دس گیارہ بجے ضرور پاس کی پولیس چھاؤنی میں حاضر ہوں گے، یہ ماجرا جبھی حضرت مفتی صاحب کو معلوم ہوا تو آپ سخت غصے میں آگئے تھے، حضرت نے محمول کر لیا کہ یہ ان کی بڑی بے عزتی ہوئی ہے، اب حضرت مفتی صاحب صبح سویرے پولیس چھاؤنی میں حاضر ہو کر دارغہ سے اتفاق کر لیا کہ والد صاحب چھاؤنی میں کمیٹیوں کے کہنے پر قطعاً حاضر نہیں ہوں گے، اب اگلے دن صبح سویرے والد صاحب کو کمیٹی والوں نے چھاؤنی کے قریب لے آیا تو دور سے حضرت مفتی صاحب کی نظر پڑ گئی تھی، تو آپ مزید درمزید تیش میں آ کے آگے بڑھے اور آواز دے کر فرمایا کہ سعید عالم! تم ابھی ہی گھر چلے جاؤ، اُن کے ساتھ چھاؤنی مت آنا، یہ کیا اور کیسی منافقت ہے، یہ لوگ لوگوں کے خلاف جاسوسی کر کے گرفتار بھی کرواتے اور چھڑوانے کے لئے کام بھی کرتے ہیں، حضرت کی آواز والد صاحب کے کان پڑی تو آپ تردد میں پڑ گئے تھے، یہ دیکھ کر حضرت نے دوبارہ فرمایا کہ سعید عالم کوئی تردد نہ کرو اور فوراً گھر چلا جا، اب حضرت والد صاحب گھر چلے گئے اور یہ لوگ جن کے ساتھ بستی کے سرپنچ بھی تھا بہت بگڑ گئے، اور غصے کے ساتھ چھاؤنی جا کر والد صاحب کے نام

وارنٹ صادر کروایا، جس میں کہا گیا تھا کہ شام چار بجے کے اندر اندر چھاؤنی میں حاضری ہو جائیں، وارنٹ والد صاحب کو ملا تو حضرت مفتی صاحب نے یہ کہتے ہوئے کہ دیکھا جائے گا کہ یہ لوگ سعید عالم کو کیسے فوجی چھاؤنی لے جائیں گے ایک کشتی کے ذریعے مدرسہ بھیج دیا، اور آپ خود چھاؤنی دوبارہ گئے اور داروغہ کو فرمایا کہ میں نے تم سے تو اتفاق کیا تھا کہ سعید عالم چھاؤنی میں حاضر نہیں ہونگے لیکن اس کے بعد بھی یہ وارنٹ کیسا؟ تو داروغہ نے کہا کہ یہ لوگ مجھے مجبور کر کے مجھ سے یہ کام کروایا ہے، لیکن کوئی حرج نہیں، ان کو یہاں آنا نہیں پڑے گا، اب شام ڈھلے کمیٹی والوں نے چھاؤنی میں حاضر ہو کر والد صاحب کی حاضری کا انتظار کر رہے تھے، مگر والد صاحب حاضر نہیں ہوئے، ویسے ان کمیٹی والوں کی بڑی ذلت ہوگئی تھی، اور اللہ تعالی نے حضرت مولانا مفتی صاحب اور والد صاحب کی عزت وآبرو کی حفاظت کی تھی۔

(۷)

۱۴۰۴ھ کا واقعہ تھا، ناچیز مدرسہ کی طرف سے تحصیل کے سلسلے میں سعودی عرب آیا اور حضرت مفتی صاحبؒ بھی بغرض حج وعمرہ قانونی طور پر ارکان سے حجاز آئے تھے، جس کا اجمال حضرت کے اسفار میں مذکور ہوا ہے، حضرت نے اپنی واپسی کے وقت مجھے فرمایا تھا کہ:

''مجھے تمہاری سہولت کی خاطر ہمارے علاقے کے پولیس کے بڑے انسپکٹر کے لئے ایک کیمرہ خرید کر دے دیا جائے، کیونکہ اس نے میرے آتے وقت مجھ سے اس کی فرمائش کی تھی جس کے بغیر وہاں جاؤں تو ایک طرف اس کے سامنے میری شرمندگی ہوگی اور دوسری طرف وہاں کے حالات کے پیش نظر تیرے لئے ڈھیر ساری مشکلات کے آنے کا بھی امکان ہے''۔

بہر حال میں نے ایک کیمرہ خرید کر حضرت کو دے دیا، اور حضرت اپنے گھر پہنچنے کے بعد ان کے گھر میں انسپکٹر صاحب کو بلا کر کھانا وغیرہ کھلایا اور بطور ہدیہ اسے بھی پیش کیا تھا، ویسے حضرت کے ساتھ اس انسپکٹر صاحب کے تعلقات بہت خوشگوار ہو گئے تھے، یہاں ایک بات یاد رہے کہ یہاں کے اکثر مسلمانوں کا کہنا تھا کی یہ انسپکٹر کوئی برمی مسلمان تھا، ویسے بھی دیگر بڈھسٹ حکمرانوں کی طرح اس کے گھر میں کوئی مجسمہ وغیرہ بھی نہیں ہوتا تھا، اور وہ خود بھی مسلمانوں سے خیر خواہی کا سلوک کیا کرتا تھا، اور یہ بھی یاد رہے کہ یوں بھی ہمارے علاقہ جات میں کہیں کہیں ایسے برمی مسلمان افسر گاہِ گاہِ آیا کرتا تھا، جو عام لوگوں کی نظروں سے اپنے مذہبی چیزوں کو چھپایا کرتا تھا، ورنہ خود ان کے لئے ان کی زندگیاں اجیرن جانے کا قوی امکان ہوتا تھا۔

بعد ازاں بعد تحصیل میں جبھی وطن کو پہنچا تو حضرت مفتی صاحب نے میری آمد کی اطلاع اس بڑے پولیس انسپکٹر کو دی تھی، تا کہ دشمنوں کے ناپاک عزائم سے میرے بچاؤ ہو جائے، علاوہ ازیں حضرت نے مجھے اپنے ہی کے گھر میں رہائش کا بندوبست کر دیا، تا کہ میں دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے نسبتاً محفوظ رہ سکوں، ویسے میں وہاں رہنے لگا تھا۔

میں وطن پہنچ گیا تو گاؤں کے کمیٹی والے رشوت کی لالچ میں پڑ گئے، اب وہ چاہتے تھے کہ میرے غیر قانونی سفر کو بہانا بنا کر مجھ سے بھاری رقوم حاصل کی جائیں، یوں وہ لوگ پولیس کے ذریعے میری گرفتاری کی فکر میں پڑ گئے تھے، لیکن حضرت مفتی صاحب ان کی اس خباثت فکر سے اس لئے بے فکر تھے کہ ان کا یقین تھا کہ چوں کہ تھانے کے بڑے انسپکٹر صاحب ان ہی کے ہو گئے تھے، اس لئے ان کمیٹی والوں کی ہزار کوشش اور چاہت کے باوصف مجھ پر کوئی آنچ نہیں آسکے گی، میں روز حضرت کے گھر سے نمازِ مغرب کے لئے مسجد جایا کرتا تھا، اور عشاء کی نماز ادا کر کے واپس آکر حضرت

کے ساتھ کھانا وغیرہ کھاتا تھا، ایک دن کمیٹی والوں میں سے ایک صاحب جو میرے تھوڑے رشتہ داروں میں سے تھا نے آ کر بتایا کہ آج تم مسجد کو نماز کے لئے مت جانا، اس لئے معمول کے خلاف میں نماز کے لئے مسجد نہیں گیا، مغرب کے بعد کمیٹی والوں نے چھوٹے انسپکٹر مع چند پولیس مجھے گرفتار کرنے کے لئے مسجد کا گھیراؤ کیا، لیکن مجھے مسجد میں نہ پا کر انہوں نے مشورہ کیا کہ کچھ وقت انتظار کیا جائے، ممکن ہے کہ نماز عشاء کے بعد حضرت مفتی صاحب جب گھر پہنچیں گے تو کھانا کھانے کے دوران میری گرفتاری ممکن ہو سکے گی، یاد رہے کہ ان سارے معاملات سے حضرت مفتی صاحب بالکل بے خبر تھے، بہر حال اندھیاری میں سر راہ یہ لوگ میرے انتظار کر رہے تھے، جو بھی ان کے سامنے سے گزرتا اسے پکڑ لیا جاتا تھا، اس دوران مفتی صاحب کا ایک صاحب زادہ مسجد کو نماز کے لئے جارہا تو وہ پولیس کے سامنے پڑ گیا، اب وہ بھاگم بھاگ بڑی تیز رفتاری سے حضرت کے گھر آ کر مجھے خبر کر دی، اور بتایا کہ فوراً گھر چھوڑ دیا جائے، ورنہ میں پولیس کے ناپاک ہاتھوں گرفتار ہو جاؤں گا، لیکن اس لڑکے کے پیچھے پولیس وغیرہ بھی دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت مفتی صاحب کے گھر پہنچ کر گھیراؤ کر لیا گیا، اب یہ لوگ حضرت مفتی صاحب کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، تاکہ گھر داخل ہو کر میں پکڑ لیا جا سکوں، حضرت مفتی صاحب گھر پہنچے تو چھوٹے انسپکٹر صاحب سے بڑے غصیلے انداز میں فرمایا کہ:

> ”تم میرے گھر کیوں آئے ہو، تمہارے پاس وارنٹ گرفتاری کے ساتھ بڑے انسپکٹر کی اجازت نامہ موجود ہے؟ یہ سب کچھ ہے تو مجھے دیکھایا جائے، ورنہ میں ابھی بڑے انسپکٹر کے وہاں جاتا ہوں اور ان سے تمہاری شکایت کروں گا“۔

لیکن چھوٹے انسپکٹر بھی غصے بھرے انداز میں حضرت کو دھمکی دینے لگا کہ میں بھی تم کو دیکھ لوں گا، پھر آواز دے کر تمام پولیس کو بلا کر یہاں سے چلا گیا، ان کے چلے جانے کے بعد ہم دونوں نے ایک ہی ساتھ کھانا کھایا، اس کے بعد حضرت سے میں دوسری جگہ منتقل ہونے کی گزارش کی تو آپ نے میری گزارش کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے تمہی کوئی بھی میرے گھر سے گرفتار نہیں کر سکتا۔

صبح سویرے بلکہ پو پھٹے حضرت مفتی صاحب نے بڑے انسپکٹر کے وہاں جا کر اس سے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان بات طے پا چکی تھی، پھر بھی چھوٹے انسپکٹر مولوی زبیر کو گرفتار کرنے میرے گھر کیوں گیا تھا؟، اور وہ مجھے بے آبرو کر کے کیسے واپس ہوا تھا؟ در اصل بات یہ ہے کہ وہ سارا ماجرا اس بڑے انسپکٹر صاحب کی بے خبری کے عالم میں ہوا تھا، بہر حال اس نے حضرت کی بات سنتے ہی وہاں کے تمام پولیس والوں کو بلوایا، اور حضرت سے کہنے لگا کہ ان میں سے کس کی قیادت میں آپ کے وہاں پولیس کی نفری گئی تھی؟ اب حضرت نے چھوٹے انسپکٹر کی طرف اشارہ کیا تو بڑے انسپکٹر نے نہایت غصے میں آ کر اس کی پٹائی کی ٹھان لی، لیکن حضرت مفتی صاحب نے منع کرتے ہوئے اسے روک دیا اور فرمایا کہ میں نے اسے معاف کر دیا اور تم بھی معاف کر دو!، یہ دیکھ کر چھوٹے انسپکٹر حضرت کے پاؤں پڑ گیا اور بڑی عاجزی سے معافی مانگی، اگر حضرت اسے بروقت معاف نہیں کرتے تو ممکن تھا کہ اس کی پٹائی بھی ہو جاتی اور اس کی برخاست بھی، کیوں کہ ظاہر ہے کہ اس کی یہ ساری کرتوت بڑے انسپکٹر صاحب کی اجازت کے بغیر ہوئی تھی، جب کہ قانون کے مطابق اجازت ضروری تھی، اس واقعہ کے بعد سے چھوٹے انسپکٹر حضرت کو باپ کہہ کر پکارتا اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ پیش آتا تھا، پھر بعد میں وہ مجھے بھی بہت ہی محبت کرتا تھا۔

(۸)

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب نے اپنی بستی میں شارع عام سے ملحق ایک پختہ مسجد اس وقت تعمیر کرائی تھی، جب پورے ارکان میں کسی نئی مسجد کی تعمیر تو کجا کسی ایک پرانی مسجد کی اصلاح تک پر حکومت کی طرف سے پابندی لگا دی گئی تھی، اس زمانے میں کسی کے لئے مجال ہی نہیں تھی کہ کسی مسجد کی اصلاح یا تعمیر کی جائے، لیکن حضرت مولانا کا معاملہ اس دستور عام سے قدرے مختلف تھا، چنانچہ اس مسجد کی تعمیر سے پہلے آپ نے کیا اقدام کیا تھا اس حوالے سے باوثوق ذرائع سے یہی اطلاع ملی ہے کہ:

''اس مسجد کی تعمیر سے پہلے حضرت مولانا سلطان احمد صاحبؒ خوار بیل والی فوجی چھاؤنی کے کمانڈر جسے وہاں کی عام زبان میں ''کوے کریمو'' کہا جاتا تھا کے پاس گئے، اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا، اس کمانڈر نے اپنے ذمے پر حکومت کی طرف سے اس ہونے والی نئی مسجد کے لئے تیس پیکٹ سیمنٹ دے دیئے تو آپ نے ان پیکٹوں کی رسید حاصل کر لی تھی، تاکہ ان رسیدوں کو اجازت نامے کی جگہ پر کام میں لایا جا سکے، بہرحال ابھی مسجد کی تعمیر دھوم دھام سے شروع ہوگئی تو پہلے پہلے کسی نے مخبری کی اور نہ حکومت کی طرف سے کوئی پریشانی لاحق ہوئی، لیکن اگلے چند مہینے کے بعد ممکن ہے کہ کسی نے دشمنی کی ہو کہ بلی بازار والی فوجی چھاؤنی کے کمانڈر نے جسے وہاں کی عام زبان میں ''نیمرے مو'' کہا جاتا ہے آپ کو بلایا، اور کہا کہ آپ نے اس مسجد کی تعمیر کرنے سے پہلے کس سے اجازت لی رکھی ہے؟ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ پہلے تو مسجد کی تعمیر کے لئے خدا کی طرف سے اجازت ملی ہوئی ہے، کیوں کہ قرآن کریم میں مسجد کی تعمیر کے لئے نہ صرف عام

اجازت ہے بلکہ خدا کی طرف سے حکم عام بھی ملا ہوا ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں مگھ بستی میں جو پگوڈا بنا ہوا ہے اس کی تعمیر کے لئے وہاں کے مگھوں (ڈھسٹ) نے کسی بھی حکام سے اجازت نہیں لی تھی، ویسے جواب چاہئے کہ کیوں ہمیں مسجدوں کی تعمیر کے لئے اجازت کی ضرورت ہوا کرتی ہے؟ جب کہ اجازت تو ملتی ہی نہیں اور اس کی کوشش کرنے والوں کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا یا کم سے کم جیل جانا پڑتا ہے؟؟ حضرت کے ان جوابات کے ساتھ مذکورہ رسیدیں دیکھ کر فوجی حاکم خاموش ہوگیا، کیوں کہ ایک طرف اسے معلوم تھا کہ حضرت مولانا بڑے نڈر اور بہادر ہونے کے ساتھ اپنے موقف سے ہٹنے والے انسان نہیں ہیں، جب کہ دوسری طرف زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنے سے یہ معاملہ بہت بڑا ہو سکتا ہے، اس طرح اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اس مسجد کی تعمیر ممکن ہوگئی تھی''۔

(۹)

۱۹۷۸ء میں برمی حکومت کی طرف سے روہنگیا مسلمانوں کو ارکان سے بے دخل کرنے اور ان کو اپنے مادر وطن سے نکالنے کی غرض سے ایک خطرناک اور قیامت خیز بدنام زمانہ انکوائری (جوناگامن آپریشن کے نام سے مشہور ہے) کی گئی تھی، جس کے سبب سے ہزاروں مسلمان مختلف اسباب سے شہید ہو گئے تھے، اور کئی لاکھ مسلمان مجبورا پڑوسی ملک بنگلا دیش ہجرت کر گئے تھے، بعد میں ان کی اکثریت کسی طرح (جس کی طول طویل داستان ہے) وطن واپس ہو سکے تھے، تاہم اسی وقت کے بہت سارے روہنگیا مہاجرین ابھی تک بنگلا دیش میں پناہ گزینی کی حالت میں مقیم ہیں، جب کہ ان میں سے بہت سارے مسلمان پاکستان، سعودی

عرب، متحدہ عرب امارات، ملائشیا، وغیرہ ممالک کی طرف ہجرت کر گئے تھے، اس دوران یہاں مفتی صاحب پر ایک ناگہانی مصیبت آن پڑی تھی، جس کا اجمال کچھ یوں ہے کہ:

’’اسی سال کی انکوائری سے پہلے مدرسہ دارالعلوم میانجانپور کی طرف سے مولوی عبدالمالک دھودائنگی رحمۃ اللہ علیہ کو بغرض تحصیلات سفیر بنا کر برمی دارالحکومت رنگون بھیجا گیا تھا، موصوف وہاں سے آتے وقت ایک نامور عالم دین اور حافظ قرآن ساتھ لے کر آئے تھے، جو مدرسہ میں معزز مہمان کی حیثیت سے بہت دن تک مقیم رہے، بعد میں وہ یہاں سے غیر قانونی طور پر براہِ بنگلا دیش سعودی عرب گئے، پھر بعد ادائے حج وزیارت کے دوبارہ دارالعلوم میانجانپور پہنچے اور یہاں کئی دن گزار کر دارالحکومت رنگون چلے گئے تھے، موصوف نے رنگون جاتے وقت حضرت مفتی صاحب سے ایک تصدیق نامہ مدرسہ کے پیڈ پر ایسا لکھوالیا کہ موصوف اتنے دنوں تک مدرسہ میں ہی مقیم تھے، یادرہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مذکورہ تحریر انجام کار سے ایک طرح کے بے خبری کے عالم میں بڑی سادگی اور نہایت سادہ لوحی سے لکھ دی تھی، اب مولانا موصوف رنگون اپنے گھر پہنچے تو ان کے بعض دشمنوں نے حکومت تک یہی مخبری کر دی کہ ’’مولانا صاحب غیر قانونی طور پر براہ بنگلا دیش سعودی عرب گئے ہوئے تھے، اور حج وزیارت کے بعد اسی راستے سے رنگون پہنچے ہوئے ہیں‘‘ اب برمی حکومت کی طرف سے ان مولانا کی زبردست تفتیش کی گئی، چنانچہ دوران تفتیش کئے گئے تشدد، سختی اور ظلم وستم اور عدوان سے تنگ آکر انہوں نے اصل حقیقت کا اقرار کر لیا، اور آمدورفت میں کہاں کہاں ٹھہرے اور کن کن لوگوں نے ان کی مہمانداری کی تھی سب

کے سب کی تفصیلات اگل دیئے، ساتھ ہی ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصدیق نامہ بھی مفتشین کے ہاتھ لگ گیا، اب حقائق کے پتے کے فورا بعد رنگون سے ایک تفتیشی وفد (MIS) میانجانپور پہنچا، اور ان مولانا نے اپنی آمدورفت کے دوران جن جن لوگوں سے ملا تھا سب کو گرفتار کرکے ارکان کے دار الحکومت اکیاب لے جایا گیا، ان سب میں سرفہرست حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، چنانچہ حضرت مفتی صاحب پانچ چھ مہینے تقریبا جیل میں بند رہے، اور ناقابل بیان اور ناقابل برداشت ظلم وستم کے بعد آپ کو رہائی نصیب ہوئی، یادرہے کہ ارکان (برما) میں یہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی گرفتاری تھی‘‘۔

(۱۰)

ایک مرتبہ حکومت کی طرف سے ایک کمیشن اس مقصد کے لئے مقرر کیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے گھر گھر جا کر گھر والوں کی گروپ تصاویر لیا کرے، تاکہ حکومت کو یہی اندازہ ہو جائے کہ ابھی تک ارکان میں مسلمان کتنے بچ گئے اور یہاں سے کتنے نکالے جا چکے ہیں (یادرہے کہ کم سے کم 1936ء سے یہاں برمی حکومت کی جانب سے ایسی نازیبا و ناروا حرکات آئے دن نت نئے طرز وطریقے سے کی جاتی رہی ہیں) چنانچہ کمیشن کے لوگوں نے مسلمانوں کے گھر گھر جا کر سب کو گھروں سے کھلی جگہوں میں نکال نکال کر تصاویر لینی شروع کر دی، اس حوالے سے مصیبت یہی تھی کہ مسلم خواتین کو اس حوالے سے عام مردوں کے سامنے نیم برہنہ کیا جاتا، اور راستوں، گلیوں، کوچوں، بازاروں اور کھلے میدانوں میں ان کی تصاویر کھینچی جاتیں، حضرت مولانا کو ان اوباشوں کی یہ حرکات برداشت نہیں ہوسکی، آپ مارے غیرت و

نخوت کے شدید تپش میں آ گئے، اور کمیشن کے سربراہ کو جا کر نگاہ روبرو آپ نے فرمایا کہ پردہ نشین مسلم خواتین کی تصاویر خواتین کے ذریعے لی جائیں یا یہ کہ ہر گھر کے ذمے داروں سے کہہ دیا جائے کہ تم اپنے اپنے گھر والوں کی تصویر کھینچ کر ہمارے حوالے کر دو، لیکن افسر بڑے اوباش تھا، چنانچہ اس نے حضرت مولانا کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم ایسا نہیں کرینگے، تو حضرت نے بھی ڈھٹ کر فرمایا کہ ہم بھی تمہیں اس طریقے سے تصاویر کھینچنے نہیں دیں گے، اب اس افسر نے حکومت کے متعلقہ اعلی حکام کو اطلاع کر دی تو حکومت کی طرف سے مزید افواج بھیجی گئیں، جنہوں نے آ کر حضرت مولانا کے گھر کا محاصرہ کر لیا بالآخر آپ کو گھر سے نکال کر بہت دور میدان میں لے جایا گیا، جہاں آپ کے سامنے آپ کے گھر کی پردہ نشین خواتین کی تقریباً نیم برہنگی کی حالت میں تصاویر کھینچی گئیں، اس وقت کچھ بے غیرتوں کا یہ کہنا تھا کہ آپ کی مخالفت سے کیا فائدہ ہوا ہے، بے پردگی مزید بڑھا دی گئی ہے، لیکن ان کے جواب میں حضرت کا یہی فرمانا تھا کہ ہمیں بہت فائدہ ہوا ہے، ہم نے اپنی استطاعت کی حد تک اتمام حجت کر دیا ہے، ظلم وعدوان تو ہر چند ہونا تھا اور ہو کر ہی رہا، لیکن ہمیں اپنے احتجاج کی وجہ سے عزیمت وجہاد کا ثواب ضرور بالضرور مل جائے گا۔

(۱۱)

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب کے ساتھ اپنی آبائی بستی کی کمیٹی والوں سے آئے دن مقابلے ومنازعات ہوتے رہتے تھے، برمی حکومت بطور خاص برمی فوجی ڈکٹیٹر جنرل نیون کے دور حکومت میں اپنی طرف سے ذمہ دار مقرر کر کے سالانہ دھان بمقدار زمین نام نہاد محصول کی شکل میں وصول کرتی تھی، یہ ذمے دار ایک ایکڑ زمین سے دس گیارہ (تانگ دھان) کاشتکاروں سے حکومت کے لئے وصول کر لیتا تھا، ان کاشتکاروں کو کہیں کہیں تھوڑا

کچھ پیسہ بھی حکومت کی طرف سے دیا جاتا تھا، اس سلسلے میں ایک مرتبہ محلے کے کمیٹی والوں نے ایک جگہ مقرر کر کے پورے محلے کے محصولات (لگان) اسی جگہ میں وصول/جمع کر رہے تھے، ایک تانگ دھان جوڑھائی آری (مقامی آلہ ناپ تول) کا ہوتا ہے، اور ہر ایک آری میں 14 سیر ہوتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ ایک تو ڈھائی آری کی جگہ تین آری کر کے وصول کر رہے تھے، مستزاد مصیبت یہی بنائی جا چکی تھی کہ ان لوگوں نے اسی مقام محصولات کو لہولعب کا اڈہ بنا رکھا تھا، رات بھر ایک مہینہ تک مائیکنگ وغیرہ آلات لہولعب کے ذریعے ناچ گانے، عیاشی اور بے ہودگی کے مظاہرے کر رہے تھے، محصولات کی مدت ایک ماہ مقرر کی گئی تھی، چنانچہ کہا جا چکا تھا کہ ایک ماہ کے بعد کسی بھی کاشتکار سے لگان وصول نہیں کیا جائے گا، مولانا نے عزم کر لیا کہ وہ اسی واہیاتی مقام پر واہیات وخرافات کے دوران لگان ادا نہیں کریں گے، ابھی مہینہ ختم ہونے کا صرف ایک دن باقی تھا، چنانچہ حضرت مولانا نے اس کے بعد کیا کیا اسے بھی سن لیجئے کہ:

> ''حضرت مولانا نے حکومت کی طرف سے دھان ناپ تول کرنے کا جو ذمہ دار تھا اسے جا کر بتایا کہ ہم یہاں رات تین بجے تک جبھی واہیات ختم ہو جائیں گے دھان لائیں گے، تم ناپ کر اسے حاصل کر لو گے، ہم تمہیں بے وقت کام کرنے کی اجرت بھی دیں گے، وہ راضی ہو گیا تو مولانا فوراً اپنے گھر گئے اور صاحبزادوں کے ذریعے دس بارہ سامپان (مقامی کشتی) کرایے پر حاصل کر کے رات ایک بجے کے بعد بستی کے کمیٹی والوں کی بالکل بے خبری کے عالم میں سارے دھان وہاں لے جا کر ادا کر دیئے، اور آپ نے دس (تانگ دھان) مقررہ مقدار سے زیادہ بھی دے دیئے، اور سب وصولی کے کاغذات مہر کے ساتھ حاصل کر لئے،

اب صبح سویرے بلکہ پو پھٹے حکومت کی طرف سے دی گئی مدت ختم ہونے پر پولیس وارنٹ لے کر حضرت کو پکڑنے آگئی، چوں کہ کمیٹی والوں نے حضرت مولانا کی مذکورہ مخالفت کی بنیاد پر سب سے بڑے افسر کو پیشگی اطلاع دے رکھی تھی، اس لئے مدت مقررہ کے ختم ہوتے ہی پولیس سب سے پہلے حضرت کے مدرسے پہنچ گئی تھی، اب پولیس وارنٹ لے کر مولانا کے مدرسے پہنچی تو آپ نے لگان بشمول زائدہ ادائیگی کے کاغذات متعلقہ ذمے دار اعلی کے سامنے رکھ دیئے، لطف کی بات یہی تھی کہ آپ نے دس تانگ (ایک تانگ ڈھائی آری کی ہوتی ہے) دھان جو زیادہ دیئے گئے تھے ان کے کاغذات سب کاغذات کے اوپر رکھے تھے، یہ دیکھ کر پولیس کا جواں سال افسر جس کا نام مونگری شی تھا حیران اور ششدر رہ گیا، کیونکہ معاملہ ظاہر ہے کہ کمیٹی والوں کی اطلاع کے بالکل برعکس تھا، اب ذمے دار اعلی نے ان کمیٹی والوں کو حضرت کے سامنے بہت ڈانٹا اور بڑی بے آبروکی، اب کمیٹی والے غصے میں لال پیلے ہو کر حضرت مولانا سے کہنے لگے کہ تم نے لگان ہمارے پاس کیوں نہیں دیا، ان کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ ایک تو تمہارے پاس شریعت کے خلاف ناچ گانے وغیرہ واہیات ہیں، مزید برآں تم مجبور و معذور کاشتکاروں سے دھان زیادہ حاصل کرتے ہو، تم لٹیرے ہو، فقراء و مساکین کا بالکل خیال نہیں کرتے ہو، اس لئے ہم نے اپنے اوپر لگائے گئے لگان تمہارے پاس نہیں دیئے، غرض یہ لوگ بڑی بے آبرو ہو کر وہاں سے کسی طرح بھاگ نکلے، جیسے کہا جاتا ہے کہ: بڑی بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے''۔

(۱۲)

حضرت مفتی سلطان احمد صاحب کے متعلق سنے سنائے بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رخصت پر نہیں بلکہ ہمیشہ عزیمت ہی پر عمل پیرا ایک خدا رسیدہ درویش صفات عالم دین تھے، آپ ایک مرد مجاہد کی طرح گویا میدان کارزار میں دشمن سے مقابلے کرنے سے کبھی نہیں کتراتے تھے، اس حوالے سے آپ کی حیات مبارکہ میں دشمن انسانیت کے خلاف سب سے بڑا مقابلہ اور اسی نسبت سے آپ کی مستعار زندگی کی دوسری گرفتاری کا اجمالی واقعہ حاضر خدمت ہے:

''1993ء میں حکومت برما کی طرف سے ایک سمن (حکم نامہ) جاری ہوا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اطراف منگڈو کی ہر ایک مسلم بستی سے بیس بیس خوبصورت کنواری دوشیزائیں کو میر خالی نامی مقام کی فوجی چھاؤنی میں بھیجی جائیں، ہر ایک لڑکی کو اس کے باپ یا اور کوئی محرم لے کر آئے، ان لڑکیوں کو چھ ماہ تک اسی فوجی چھاؤنی میں رہنا ہوگا، اس دوران کسی کو بھی ان سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی، اور نہ ہی وہ لڑکیاں اس فوجی چھاؤنی سے باہر جاسکیں گی، اور فوجی حکومت کے جانب سے یہ بھی کہا گیا کہ اس چھ ماہ کی مدت میں انہیں صنعت وحرفت اور دستکاری وغیرہ ہنر سکھایا جائے گا، نیز اگلے بیس دسمبر/ 1993ء تک یہ دوشیزائیں اس فوجی چھاؤنی میں پہنچ جانا چاہئیں، اس حکم کی خلاف ورزی پر سخت ترین کاروائیاں کی جائیں گی، یاد رہے کہ اس حکم نامے میں مطلوبہ تمام لڑکیوں کے نام درج تھے، جس میں علمائے کرام کی لڑکیوں کے نام گرامیاں سرفہرست تھیں، اس حکم نامے کے جاری ہوتے ہی یہاں کے مسلمان بڑے پریشان ہو گئے

تھے، چنانچہ ناچار ہوکر بعض والدین نے اپنی بیٹیوں کو اس فوجی چھاؤنی کا حوالہ بھی کیا تھا، اور جو باپ بدون لڑکی کے اس چھاؤنی میں گیا، ان پر ظلم وستم اور استبداد وعدوان کے وہ پہاڑ توڑے گئے، جسے سن کر چنگیز وہٹلر تک کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، چشم فلک نے آج تک اسی قسم کے ظلم وستم اور عدوان واستبداد نہیں دیکھے ہوں گے، اس دوران جو جو باپ اپنی بیٹیوں کو لے کر فوجی چھاؤنی میں نہیں گئے تھے، انہیں پکڑنے کے لئے ہر ایک بستی میں فوجی دستے بھیج دیئے گئے، اگر حضرت مفتی صاحب کے گھر ایسی کوئی لڑکی نہیں تھی اور نہ ہی آپ سے ایسا کوئی مطالبہ کیا گیا تھا، لیکن جبھی بستی میں فوجی دستہ پہنچ گیا تو حضرت مولانا اس کے سامنے کوہِ گراں بن کر کھڑے ہو کے فرمانے لگے کہ ایک لڑکی بھی ہماری بستی سے وہاں نہیں جائے گی، اگر کسی کو جانا ہے تو میں ہی جاؤں گا، اب فوج نے حضرت کو گرفتار کرکے نیمرے/4 یعنی کو میر خالی کے مقام کو لے گیا، وہاں حضرت نے فوجی افسر کے سوال پر ایک فتوی پیش کیا کہ دین اسلام میں خواتین کو بے پردہ کرنا اور وہ بذات خود بے پردہ ہونا مطلقا حرام ہے، اسی طرح مردوں کے سامنے بے پردگی کے عالم میں خواتین سے کام کاج کا کرانا، نیز ان کے محرم کے بغیر آمد ورفت کرنا اور کسی ناروا مقام پر ان کی شب باشی شریعت میں مطلقا ممانعت ہے، حضرت مفتی صاحب کا یہ فتوی دیک سن کر فوجی افسر نے آپ سے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں ایسی باتیں کہاں موجود ہیں؟ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ قرآن کریم میں موجود ہے، اس کے بعد قرآن کریم لایا گیا تو مفتی صاحب نے کھل کر

دکھا دیا کہ یہاں یہ بات موجود ہے، بعد ازاں قرآن کریم وہاں سے کہیں لے جا کر اس متعلقہ صفحہ کو اکھاڑ کر دوبارہ لایا گیا، تو حضرت نے دیکھ کر افسوس کے ساتھ فرمایا کہ تم قرآن کریم کے صفحات تو اکھاڑ سکتے ہو، لیکن قرآن کریم جو میرے سینے میں محفوظ ہے اسے کیسے اکھاڑ سکو گے؟

بہر حال اس فتوی میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے واضح دلائل دیئے گئے، جبھی حضرت نے یہ فتوی پیش کیا تو آپ پر وحشی فوج کے غصے اور بھی زیادہ بڑھ گئے، اب فوجی جوانوں نے حضرت کو سخت بے رحمی سے زد وکوب کرنا شروع کر دیا، بڑی بڑی لاٹھیوں سے پیٹا گیا، چنانچہ بعد میں حضرت کا بیان تھا کہ اس دوران بس دو تین پٹائی محسوس ہوئی، بعد میں بے ہوشی کی وجہ سے اور کچھ بھی پتہ نہیں چلا، آپ کی داڑھی منڈوا دی گئی، آنکھ کے بال اور ناخن اکھاڑ دیئے گئے، اور مستزاد آپ پر دیگر ایسے حیاء سوز مظالم ڈھائے گئے کہ جن کے تذکار سے انسانیت مارے شرم سے جھک جاتی ہے، پھر ان فوجیوں نے علاقے کی بہت سے دیگر علماء کرام کو آپ پر کئے گئے مظالم سے مطلع کیا، بعض کو عینی مشاہدہ بھی کرایا گیا، تاکہ ان فوجوں کے مطابق ان علمائے دین وملت کو عبرت حاصل ہو جائے، و لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، جبھی علاقے کے بعض علمائے کرام نے مفتی صاحب کے ناقابل بیان حالات دیکھے تو انہوں نے ایک اور فتوی جاری کیا، جس میں دیگر باتوں کے ساتھ یہ مکتوب تھا کہ حضرت مفتی سلطان احمد صاحب چوں کہ ایک سن رسیدہ عالم دین ہیں، تو آپ کے دماغی توازن درست نہیں ہے، ویسے آپ کا رقم کردہ فتوی صحت پر مبنی نہیں

تھا، لھذا ان کے جاری کردہ فتوی کی بنیاد پر انہیں زدوکوب کیا جانا، انہیں مظالم کا نشانہ بنایا جانا ایک ناروا سلوک ہے (یاد رہے کہ جن علمائے کرام نے مفتی صاحب کے فتوی کو غلط کہا اور ان کے دماغی توازن کو بگڑا ہوا بتایا تھا، ان حضرات کا مقصد بس حضرت کو ان اوباشوں کے مظالم سے بچانا ہی تھا، ورنہ وہ حضرات علمائے کرام بھی یہ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کا دماغی توزن بھی صحیح تھا اور آپ کا جاری کردہ فتاوی اور اس میں درج ساری باتیں صحت ودرستگی پر مبنی تھیں) بہر کیف ان بعض علمائے کرام کا یہ فتوی سامنے آیا تو حضرت مفتی صاحب نے ان علماء کو بلا کر فرمایا کہ: ’’بھائیو اور عزیزو! بیانوے (۹۲) سال کی میری طویل عمر عیش وعشرت میں گذر گئی ہے، جب امتحان کا وقت آیا اور آزمائش کی گھڑی آن پہنچی تو تم لوگ مجھے پاگل قرار دیتے ہو؟‘‘ واہ شاباش اس بوڑھے مفتی صاحب کی استقامت اور عزیمت پر کہ جان جاسکتی لیکن شریعت اور دامن سنت نہیں چھوڑا جاسکتا تھا، بہر حال کچھ دن کے بعد مفتی صاحب کو اس بڑھاپے اور کم زوری کے عالم میں بذریعۂ جہاز نما کشتی کو میر خالی کے مقام سے بلی بازار لے جایا گیا، لیکن اب مصیبت یہی آن پڑی کہ حضرت کی آمد کی خبر عام ہوگئی تو بلی بازار کے مقام پر چاروں طرف سے مسلم عوام امنڈ آئے، جن میں بوڑھے، بچے، جوان اور نوجوان حتی کی بعض خواتین اسلام بھی تھیں، یہ دیکھ کر حکومت اور فوج گبھرا گئی، اور حضرت کو بلی بازار اتارنے کے بجائے اسی جہاز نما کشتی کے ذریعے خوار بیل کی فوجی چھاؤنی (جسے وہاں کی عام زبان میں ٹانا چوک کہا جاتا ہے) لے جایا گیا، وہاں پہنچنے کے بعد وہاں

کے اعلی فوجی افسر نے یہاں کے معروف عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا سید الامین صاحب کو طلب کر کے حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کرایا گیا، اور محدث صاحب کی زبان سے آپ کو یہی بتایا گیا کہ آپ اپنی غلطی اور جرم کا اقرار کر کے اپنے گھر جا سکتے ہیں، مگر مفتی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میری کیا غلطی ہے اور میں نے کیا قصور کیا ہے؟ غرض ایسے حالات میں بھی آپ نے دین اسلام اور شریعت مطہرہ کے متعلقہ مسائل بیان فرمائے، اس سلسلے میں فرمایا کہ جب تک یہ لوگ میری بے گناہی کا اقرار نہ کرلے تب تک میں یہاں سے نہیں جاؤں گا، چاہے جو بھی ہو جائے، مجھے اب شہادت کی آرزو وتمنا ہے، اس کے بغیر واپس جانا نہیں، غرض ایسے حالات میں تقریبا تین مہینے کے بعد آپ کو بے گناہی کے ثبوت کے ساتھ رہا کر کے حکومت/فوجی حکام نے اپنے مصارف میں برمی دار الحکومت رنگون لے گیا، اور حکومت کے مصارف پر آپ کو وہاں تشخیص وعلاج کیا گیا، اس کے بعد وطن واپس لا کر آزاد کر دیا گیا تھا، کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے آخری عرصے میں خوار بیل والی فوجی چھاؤنی کے اعلی افسر حضرت کے سامنے بڑے احترام سے پیش آیا، جس کا بین ثبوت آپ کو تشخیص وعلاج کے لئے رنگون لے جانے سے ملتا ہے، علاوہ ازیں یہ بھی شنید ہے کہ جس فوجی افسر نے آپ کو پکڑ کر لے گیا اور کو میر خالی لے جا کر آپ پر انسانیت سوز تشدد کیا تھا، وہ ایک خطرناک بڑی بیماری میں مبتلا ہوگیا تھا، لیکن اس نے بعد میں حضرت سے معافی مانگی اور حضرت نے بھی اسے معاف کر دیا تو وہ شفایاب ہو گیا تھا، بہر کیف حضرت مولانا کی اس

قربانی اور جان سپاری سے یہاں مسلم معصوم خواتین کی عصمتیں بچ گئیں، اورفوجی حکومت اور اوباش حکمرانوں کی جانب سے بے پردگی کا جو حکم نامہ جاری کیا گیا تھا اسے کالعدم اور مسترد کردیا گیا، ویسے ارکان کے تمام مسلمان اس مصیبت سے قدرے محفوظ ہو گئے، اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب کو اجر عظیم عطاء فرمائیں، آمین یارب العالمین"۔

(۱۳)

حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو قربانی کرنا بدون اجازت کے ممنوع تھا، اجازت حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا ضروری تھا، لیکن ایسے حالات میں بھی حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب بدون اجازت کے قربانی کیا کرتے تھے، مستعار زندگی کے آخری سال حکومت کی طرف سے تفتیشی وفد آکر آپ سے پوچھا کہ تم نے جو قربانی کی اس کی اجازت کہاں سے لی گئی؟ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ میں نے یہ اجازت اللہ تعالی سے لے رکھی ہے، اب انہوں نے رپورٹ لکھ کر اعلی افسر کے پاس بھیج دی تو اعلی افسر نے حضرت مولانا کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی، کیوں کہ یہاں کے مسلمانوں کے تہ بتہ کافر حکام تک کو یہی معلوم تھا کہ حضرت مولانا خلاف شریعت کسی بھی حکم کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اللہ تعالی آپ کو اجر عظیم عطا فرمائیں۔

(۱۴)

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب کی زندگی کے بالکل آخری مرحلے میں مولائے حقیقی سے جا ملنے کے دو یا تین دن کے پہلے کا واقعہ ہے کہ برمی فوجی حکومت کی طرف سے جو

مسلمانوں کے خلاف ایک حکم نامہ جاری کیا گیا تھا کہ ارکان میں کوئی بھی نت نئی مسجد تعمیر نہیں کی جائے، اور اسی طرح یہاں کسی بھی پرانی مسجد کی اصلاح اور مرمت نہ کی جائے، حضرت مفتی صاحب کے علاقے کے پانچ چھ کیلومٹر کی مسافت پر "جیمنگ خالی" نامی ایک قدیمی مسلم بستی آباد ہے، اس بستی کی جامع مسجد کو اس بہانے پر بند کردیا گیا کہ اس کی اصلاح ومرمت کی گئی ہے، جب یہ خبر مفتی صاحب تک پہنچی تو حضرت کے بڑے صاحب زادے مولانا محمود الحسن صاحب کو بلا کر فرمایا کہ میرے لئے کچھ پیسہ کا بندوبست کیا جائے، تاکہ میں منگڈ جا کر بند کردہ اس مسجد کو کھولنے کے لئے قانونی چارہ جوئی کروسکوں، یہ ہفتے کا دن تھا کہ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ پیر کے آفتاب ڈھلنے سے پہلے آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالی حضرت کو جزائے خیر کے ساتھ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائیں، آمین۔

حضرت کے چند اسفار:

(1) حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب نے اپنی زندگی کا پہلا سفر ابتدائی جوانی میں حصول علم کے لئے ہندوستان کا کیا، تین سال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور سات سال دارالعلوم دیوبند میں کل دس سال تک زیر تعلیم رہے، اس دوران ایک مرتبہ بھی وطن واپس نہیں آئے، حضرت مولانا نے تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہندوستان سے مادر وطن ارکان آکر تعلیمی، اصلاحی اور تربیتی سرگرمیاں شروع کیں، اور زندگی کے آخری سانس تک اسی قومی، ملی اور مذہبی خدمات میں سرگرم عمل رہے، اس دوران حضرت مولانا کی زندگی نے سینکڑوں اتار چڑھاؤ، زیر وبم اور پیچ وخم دیکھے، لیکن ایک مرتبہ کے لئے بھی آپ نے کسی دوسرے ملک کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔

(2) 1404ھ بمطابق 1984ء فریضہ حج ادا کرنے کے لئے حضرت مولانا سلطان احمد صاحب نے برما سے قانونی طور پر براہِ رنگون حجاز مقدس کا سفر کیا، اسی سال بندۂ ناچیز جامعہ دارالعلوم میانجاپور کے لئے تحصیلات کے سلسلے میں سعودی عرب آیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اس نے حضرت مولانا کے ساتھ حج ادا کرنے کی توفیق بخشی، حضرت مولانا نے کتنے شوق وجذبات کے ساتھ حج ادا فرمایا تھا، اسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، آپ نے ہر ایک رکن ، اعمال ومناسک حج کو بالکل سنت نبوی کے مطابق ادا فرمایا، قبل ایام حج حضرت کے ایک شاگرد رشید نے آپ کو منی، مزدلفہ، عرفات وغیرہ مقامات کی زیارت کرانا چاہا تو آپ نے یہ فرما کر اسے مسترد کردیا کہ اگر حج سے پہلے ان مقامات کی زیارت کی جائے تو حج کے دوران شوق پھیکا ورجذبات سرد پڑ جائیں گے، میری یہی آرزو ہے کہ میں پورے شوق وجذبات کے ساتھ مقامات مقدسہ کی زیارت کروں اور ایام حج کے دوران اعمال حج میں مگن رہا کروں۔

شاباش! اتنے کمزور اور بڑھاپے کے عالم میں حضرت مولانا نے اور تو اور جبل نور اور جبل ثور جیسے مقامات مقدسہ کی زیارت کی، اتنی بلند وبالا پہاڑ پر چڑھ کر غار حراء اور غار ثور جیسے اثار نبویہ علی صاحب الصلاۃ والتسلیم تک پہنچے، حالانکہ ان پہاڑوں کی چڑھائی دوتین کیلومٹر سے کم نہیں ہے، اسی طرح آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے تقریبا ہر ایک مقامات مقدسہ کو بہت شوق اور جذبے کے ساتھ مشاہدہ کیا اور زیارت کی، حضرت مولانا حجاز مقدس سے مفارقت کے وقت زار وقطار روئے اور آنسو بہائے، اور فرمانے لگے تھے کہ شاید مجھے دوبارہ زیارت نصیب نہیں ہوسکے گی، چنانچہ ہوا بھی ویسا۔

سعودی عرب کے قیام کے زمانے میں آپ کی قیام گاہ ہمیشہ علمائے کرام اور شاگردوں سے بھر پور رہتی تھی، کھانے کی دعوت دینے کے لئے لوگوں کا ہجوم رہتا تھا، بہت سارے شاگردوں کو موقع ہی نہیں ملتا تھا کہ آپ کو اپنے گھر بلا کر دولقمہ کھلایا جائے، آپ کی مجالس میں ہمیشہ علمی اور

سیاسی مذاکرات ہوتے رہتے تھے، آپ ہر کہیں اپنی تقریر وخطابت میں ارکان اور وہاں کے مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے مسائل حل کرنے پر لوگوں کو توجہ دلاتے اور اس کے لئے جد جہد کرنے پر زور دیتے تھے۔

(3) حضرت مولانا سلطان احمد صاحب نے چار مرتبہ برما کے دارالحکومت رنگون کے سفر کئے تھے، ان اسفار کا اجمال کچھ یوں ہے کہ:

(۱) پہلی مرتبہ جمعیت العلماء کے وفد کے ساتھ مذہبی امور کے حوالے سے۔

(۲) دوسری مرتبہ آنکھ کے علاج کے سلسلے میں، اس سفر میں بندۂ ناچیز کو آپ کے رفیق سفر بننے کی توفیق ہوئی تھی۔

(۳) تیسری مرتبہ 1993ء میں ناقابل بیان ظلم وستم برداشت کرنے کے بعد برمی فوجی حکومت نے آپ کو علاج کے لئے رنگون بھیجا تھا۔

(۴) چوتھی مرتبہ حج کے آمدورفت براہِ رنگون ہوئی تھی۔

(4) حضرت مولانا سلطان احمد صاحب نے بنگلا دیش کے متعدد سفر فرمائے تھے، بنگلا دیش بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور کئی مرتبہ میری رفاقت بھی آپ کے ساتھ تھی، کبھی علاج کے سلسلے میں کبھی اتحاد المدارس کے اجلاس میں شرکت کرنے کی غرض سے، اور کبھی کبھار روہنگیا مظلوم مسلمانوں کے مسائل کے حل کے سلسلے میں۔

ذکر وعبادات کے حوالے سے مولانا کے بعض معمولات:

مشہور بات ہے کہ علمائے دیوبند کی غیر معمولی اکثریت ذکر وعبادات اور بندگی کے حوالے سے نہایت مشہور ہوا کرتی ہے، ظاہر ہے کہ ہمارے علاقے میں ان علمائے دیوبند میں سے دور آخر میں حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی نہایت معروف ومشہور عالم دین

تھے،آپ حضرت شیخ طریقت، حامی سنت و ماحی بدعت وخرافات مولانا مفتی عزیز الحق صاحب بانی جامعہ اسلامیہ پٹیہ کے مرید ہونے کے ساتھ وہاں کے نامور عالم دین و شیخ طریقت حضرت مولانا احمد صاحب (معروف بہ امام صاحب حضور) کے مجاز بیعت تھے،مولانا صوم وصلوۃ کے بے حد پابند بزرگ تھے،ہمیشہ صف اول میں اور وہ بھی بالکل امام کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے،اس طرح ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے،اور نماز ادا کرنے کے دوران تعدیل ارکان کو ملحوظ رکھا کرتے تھے،ظاہر ہے کہ آج کل ہر کہیں کر سیوں پر نماز ادا کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے،لیکن حضرت مفتی صاحب نے اپنے بڑھاپے اور بڑی کم زوری کے عالم میں بھی کبھی بیٹھے بیٹھے یا کسی کرسی پر نماز ادا نہیں کی تھی،آپ نے اپنی مستعار حیات مبارکہ میں شاید کبھی بھی بدون جماعت کے نماز ادا نہ کی ہوگی،نماز کے لئے قبل آذان اچھی طرح سنت نبوی ﷺ کے مطابق وضو فرماتے،اور وضو کے دوران مسواک کرنا کبھی نہیں چھوڑتے تھے،نیم شبی اور نالہ سحر گاہی آپ کی گویا فطرت بن چکی تھی۔

جی ہاں آپ نہایت شب زندہ دار عالم دین،باکمال بزرگ تھے،بڑے تہجد گذار انسان تھے، رات گئے صبح صادق کے ایک دو گھنٹے پہلے بیدار ہوجاتے،تہجد کے بعد ذکر الٰہی کے ساتھ درود و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوجاتے تھے،نماز فجر کے بعد کتب بینی میں مگن ہوجاتے،اشراق کے بعد ناشتہ تناول فرماتے اور اس کے معا بعد درس وتدریس میں مشغول ہوجاتے تھے،دیگر کتب کے ساتھ بخاری شریف کے دونوں مجلدات کے دروس مولانا کے ذمے تھے،بدون مطالعہ کبھی بھی سبق نہیں پڑھاتے تھے،اور ہر ایک درسی کتاب کو متعلقہ متعدد شروحات کے مطالعے کے بعد پڑھایا کرتے تھے،نماز مغرب کے بعد جلد مسجد سے نہیں نکلتے،بالعموم عشاء تک ذکر وتسبیحات میں مشغول رہتے تھے، رمضان شریف میں حضرت مولانا کے معمول کی حالت بدل جاتی تھی،آپ کے ذکر و عبادات میں شدت پیدا ہوجاتی تھی،مولانا عادتاً کھانا وغیرہ بہت کم تناول فرماتے تھے،نماز تراویح

میں ماہر حفاظ کی امامت میں بیس رکعتیں تراویح ادا فرماتے تھے،یوں رمضان کریم میں حفاظ کرام کے پیچھے پورے قرآن مجید سنتے تھے،تہجد،اشراق،ضحیٰ،اوابین وغیرہ کے نہایت اہتمام فرماتے تھے،مولانا تلاوت قرآن مجید کے بے حد پابند تھے،عشرہ اخیر میں ہمیشہ اعتکاف میں بیٹھتے تھے،حضرت کا یہ معمول جوانی سے زندگی کے آخری ایام تک برابر جاری تھا،اللہ تعالیٰ حضرت کے تمام اعمال کو قبول کرتے ہوئے ان کو اجر جزیل عطاء فرمائیں،آمین یارب العالمین۔

ارکان میں جہاد اسلامی کے متعلق حضرت کا کردار:

یہ ایک سورج کی طرح عیاں حقیقت ہے کہ حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی ایک باکمال مرد مجاہد تھے،موصوف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے،آپ نے جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ دس سالوں تک دار العلوم دیوبند میں بغرض تعلیم قیام فرمایا تھا، یہ بات کس سے مخفی ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات نے ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لئے کیسی کیسی جدوجہد اور کوششیں کی تھیں، جنہیں حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی نے اپنی طالب علمی کے دوران اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ، یوں حضرت کے دل میں ارکان کے حوالے سے ہونے والے جہاد اسلامی کا شوق اور جذبہ جاگزین ہوگیا تھا، ویسے حضرت مفتی صاحب کی شخصیت میں جہاد اسلامی کی اسپریٹ متمکن ہو چکی تھی، چنانچہ آپ نے وہاں سے اپنے اصلی وطن ارکان کو تشریف لاتے وقت دل ہی دل میں عزم مصمم کر لیا تھا کہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے جان توڑ کوشش کی جائے گی، اس لئے آپ کے اندر یہاں ارکان پہنچنے کے بعد سے زندگی کے آخری ایام تک جہاد اسلامی کی فکر اور شوق دامن گیر تھا، آپ

نے اس حوالے سے برما کے دارالحکومت رنگون وغیرہ کے علاوہ بنگلا دیش کے کئی مرتبہ سفر فرمائے تھے، ماضی میں جہاد اسلامی ارکان کے نام سے جو جماعت کام کرتی رہیں، مولانا ان جماعتوں کی سرکردہ شخصیات اور سربرآوردہ قیادات سے ملاقاتیں فرماتے رہے تھے، آپ نے مسلح جمعیت العلماء روہنگیا ارکان برما کی بنیاد رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا، اس حوالے سے آپ نے اندرون ارکان میں بہت سے جلسوں اور مجالس میں شرکتیں کی تھیں، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ اس کام کے لئے کام اور پتے کے صحیح اور مخلص ساتھی نہ ملنے کی وجہ سے آپ کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا، ایک مرتبہ شیخ طریقت حضرت پیر مولانا مظفر احمد صاحب مینگزویؒ رحمۃ اللہ علیہ (یاد رہے کہ وہ بھی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور ان کے مجاز بیعت تھے) کو امیر جہاد بنا کر ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، لیکن آخر کار وہ بھی غیر فعال ہوگئی تھی، اسی طرح آپ نے اپنی پوری مستعار زندگی کو روہنگیا مسلمانوں کی سیاسی فلاح و بہبود اور ان کے سماجی، معاشرتی، تعلیمی، تدریسی، ثقافتی اور فکری اصلاح کی جہد مسلسل میں گزار دیا، مولانا کو شہادت کی بڑی تمنا تھی، اس لئے اب ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب کو جزائے خیر اور شہادت کا مرتبہ عطاء فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

سانحۂ وفات حسرتِ آیات:

سن 1420ھ کے آواخر میں حضرت مفتی مولانا سلطان احمد صاحب علالت میں مبتلا ہو گئے، تشخیص و علاج کے سلسلے میں بنگلا دیش تشریف لے گئے تھے، وہاں سے علاج کے بعد گھر آ گئے، ویسے کچھ دن گھر میں رہے، 27/ذی الحجہ/1420ھ مطابق 3/اپریل/2000ء کو دوشنبہ کا دن تھا، آپ قبل الظہر وضو کرنے کے لئے بیٹھے اور بہت دیر تک مسواک کرتے رہے تھے، ماضی میں آپ نے اتنی دیر

تک کبھی بھی مسواک نہیں کیا تھا، مسواک سے فراغت کے بعد بڑے اطمینان سے وضو فرمایا، لیکن وضو کے بعد کھڑے نہیں ہو سکے، ایسی حالت میں آپ نے اپنے صاحبزادہ مولوی رحمت کریم صاحب کو بلوا کر اٹھانے کے لئے کہا، ویسے مولانا موصوف نے آپ کو اٹھا کر بستر پر لے گیا، اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کرنے کی مقدور بھر کوشس کی، لیکن کوشش رائگاں گئی، اس کے بعد فوراً بستر پر لیٹ کر فرمانے لگے کہ فوری طور پر سارے متعلقین کو بلوا کر جمع کیا جائے، اب میری حالت صحیح نہیں ہے، ویسے سارے کے سارے آپ کی چاروں اطراف میں جمع ہو گئے، آپ نے سب کو فرمایا کہ کلمہ شریف پڑھا کرو، اب سب نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد شروع کیا، پھر فرمایا کہ کلمہ شریف کلمۂ شہادت کے ساتھ پڑھا کرو، یعنی "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" تو سب نے ایسا ہی کیا تو حضرت نے بھی ساتھ ساتھ باآواز بلند شہادت کے کلمہ کا ورد شروع کیا، ایسی حالت میں بروز دوشنبہ بارہ بج کر 15 منٹ میں 98 سال کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جاملا، انا للہ وانا الیہ راجعون، اسی دن عصر کے بعد حضرت مولانا کے صاحبزادہ مولانا رحمت کریم صاحب کی امامت میں بہت بڑے مجمع کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی گئی، اور حضرت کے محلے کے بڑے قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا، اللہ تعالی مولانا موصوف کو جنت الفردوس میں انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب فرمائے اور آپ کی قبر کو انوار و فیضان رحمت سے بھر دے اور اسے جنت کا باغیچہ بنا دیں، آمین یارب العالمین۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

مولانا کے مشہور و مشاہیر تلامذہ:

1۔ عظیم سیاست دان، مرد مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا عبد القدوس مظاہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، سابق مہتمم مدرسہ خدام الاسلام جیمنگ خالی و بانی روہنگیا جمعیت علماء اور کونسلر بلدیہ برمی کالونی کراچی، پاکستان۔

2۔مجاہد فی سبیل اللہ وسیاست دان ونامور قائد حضرت مولانا عقیل احمد قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، سابق مہتمم مدرسہ شیل خالی وصدر روہنگیا جمعیت علماء ارکان۔

3۔خطیب ارکان، عظیم داعی الی اللہ حضرت مولانا سعید عالم بن مولانا عبدالحکیم صاحب ریدوی رحمۃ اللہ علیہ، سابق مہتمم دارالعلوم میانجانپور واستاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالسنہ نہلہ، کوکس بازار، چاٹگام، بنگلا دیش۔

4۔حضرت مولانا سیدعلی صاحب نکھوروی رحمۃ اللہ علیہ بانی وشیخ الحدیث مدرسہ حقانیہ نکھورہ ارکان۔

5۔مرشد برحق وداعی الی اللہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب لندوسری رحمۃ اللہ علیہ، مہتمم مدرسہ احمدیہ سعداللہ چر شمالی منگڈو، وخطیب ارکان وبرماو بنگلادیش ودیگر ممالک اسلامیہ۔

6۔حضرت مولانا نور العالم بن مقبول احمد صاحب مدظلہ العالی، سابق صدر المدرسین واستاذ لحدیث دارالعلوم میانجانپور ومدیر مدرسہ توحیدیہ کیلو/14، جدہ، سعودی عرب۔

7۔حضرت مولانا رشید احمد بن عبدالجلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم تعلیمات واستاذ الحدیث والتفسیر والنحو والصرف دارالعلوم میانجانپور، وبانی ومدیر مدرسہ دارالعلوم رشیدیہ کیلو/14 جدہ، سعودی عرب۔

8۔حضرت مولانا صدیق احمد بن ابوالخیر صاحب ایوب چری مدظلہ العالی شیخ الحدیث ومفتی ومدیر دارالعلوم احمدیہ سعداللہ چر، ارکان۔

9۔حضرت مولانا سعید عالم بن مولانا تجمل حسین صاحب نینو باساوی مدظلہ العالی سابق مہتمم دارالعلوم احمدیہ سعداللہ چر ومہتمم مدرسہ صاحب بازار شمالی منگڈو وخطیب ارکان برما وبنگلا دیش ودیگر ممالک اسلامیہ۔

10۔حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم وبانی مدرسہ چکی بازار، اکیاب، ارکان۔

11۔حضرت مولانا حامد حسین صاحب کیوکٹوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ صوفیہ رنگون برما۔

12۔حضرت مولانا محمد حنیف راغب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مدرس معقولات جامعہ دارالعلوم

میانجانپور وشیخ الحدیث جامعہ دارالسنہ نہلہ، کوکس بازار، بنگلادیش وسابق امیر تنظیم "اتحاد المجاہدین" ارکان۔

13۔مشہور طالب علم ومعروف عالم دین حضرت مولانا دین محمد صاحب فرنگی شہید، راسید نگی۔

14۔حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب مدیر مدرسہ اشرفیہ حقانیہ برمی کالونی، کراچی، پاکستان۔

15۔حضرت مولانا نذیر احمد صاحب ہاتھی ماروی رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین واستاذ الحدیث دارالعلوم میانجانپور واستاذ الحدیث فی احدی المدارس حالیہ ریفوجی کیمپ ،کوکس بازار، بنگلا دیش۔

16۔حضرت مولانا عبدالشکور گارڈ بیلی صاحب مدظلہ العالی سابق مہتمم مدرسہ ساتکانیہ فارہ شمالی منگڈو وشیخ الحدیث ومفتی جامعہ دارالسنہ نہلہ، کوکس بازار، بنگلا دیش۔

17۔حضرت مولانا ابو احمد صاحب نائن چنگی رحمۃ اللہ علیہ استاذ الحدیث جامعہ احمدیہ سعداللہ چر ومدرسہ دارالعلوم میانجانپور ارکان۔

18۔حضرت مولانا نور الاسلام سعید احمد السعیدی حفظہ اللہ تعالی ورعاہ، فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان وفاضل جامعہ ام القری مکہ مکرمہ۔

19۔مولانا مسلم صاحب استاد مدرسہ مدینۃ العلوم، نارتھ ناظم آباد، کراچی، پاکستان

20۔مولانا کمال الدین قاسمی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ حقانیہ لانڈھی، کراچی، پاکستان۔

21۔برادر محترم حضرت مولانا محمد طاہر جمال ندوی نائن چنگی فاضل دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ہند، تلمیذ ومرید خاص مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ کو بھی بلا شبہ حضرت مولانا سلطان احمد صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ ایک باوثوق اطلاع کے مطابق ندوی صاحب نے طالب علمی کے دوران آپ کے سامنے زانوئے تلمذ خم کیا، اور بخاری شریف کے چند اسباق پڑھ کر حضرت کے تلمیذ ہونے کا شرف حاصل کررکھا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی چند وصیتیں:

(۱) عبادات الٰہیہ کو بڑے اخلاص وللّٰہیت اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ خصوصاً نماز کو بڑی اہمیت سے اداء کرنا، پہلے وضو اچھی طرح سے سنت نبویہ کے مطابق کرنا ،مسواک کی مداومت کرنا ،کبھی بھی بدون مسواک کے وضو نہ کرنا،یعنی ہمیشہ مسواک کا اہتمام کرنا، یہ منہ کی پاکیزگی اور رب کی رضاجوئی کا ذریعہ ہے،اوریہی اہلِ دین کی پہچان ہے،اس کے بعد نماز کو تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرنا،نماز سے پہلے نماز کی تیاری کرنا،کبھی تکبیر اولی فوت نہیں ہونا چاہئے۔

(۲) ہمیشہ تعلیم وتدریس میں لگے رہنا،تنخواہ کی کمی یا وہ وقت کے مطابق نہ ملنے کی وجہ سے اسے نہیں چھوڑنا،اللہ تعالی رزاق ہے،وہ کھلائے گا پلائے گا،اور یاد رہے کہ اس پیسے میں بھی بڑی برکت ہوتی ہے،اورعزت بھی ملتی ہے،علمائے کرام اگر تعلیم کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالی ان کے سر سے عزت کو ہٹا لیتے ہیں،اور وہ عزت سے محروم ہو جاتے ہیں،لہذا علمائے کرام کو عزت تعلیم وتربیت اوردرس و تدریس سے ملتی ہے۔

(۳) کبھی اپنے لئے کسی بھی انسان سے سوال نہ کرنا،یاد رہے کہ اپنے لئے کسی انسان کے سامنے ہاتھ پھیلانا یہ بہت بڑی بے عزتی ہے،اس سے علم کی توہین ہوتی ہے،اور یہ بھی ہمیشگی کے ساتھ یاد رکھا جائے کہ وہ عالم عالم نہیں ہوتا جو اپنے لئے سوال کرتا ہو،علمائے کرام تحصیلات مدرسہ کے سلسلے میں اگر کسی انجان جگہ پہنچ جائیں تو اہل محلہ کے سامنے اس طرح کبھی اعلان نہیں کیا جائے کہ ہم دو تین علمائے کرام مدرسہ کی تحصیلات کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں،ہمارے لئے یہاں کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے،کھانا خرید کر کھایا جائے،اگر پیسے نہ ہوں تو پیسے مدرسہ کی طرف سے بھیجے جائیں،تا کہ ان کی بے توقیری نہ ہونی پائے۔

(۴) کبھی کسی مالدار، دنیادار،عہدے دار کے سامنے عاجزی وانکساری اور سرنگوں نہ

ہونا،وہ تو دنیا کا بادشاہ ہے اور تم تو آخرت کے بادشاہ ہو،وہ تو مالدار،عہدے دار ہے اور تم دیندار،علم دار ہو،علم اوردین کے مقابلے میں مال اوردنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔

(۵) خدا کے بندے کو ہمیشہ حق پر رہنا چاہئے، چاہے کہ حق کے لئے مقابلہ اور مقدمہ کرنا ہی کیوں نہ پڑے، اور چاہے کہ حق کی جیت کے لئے پیسہ وغیرہ بھی خرچ کرنا کیوں نہ پڑے،بغیر حق کے ہرگز کوئی اقدام اورمعاملہ نہ کیا جائے، اگر دنیا پوری کی پوری ناحق پر ہو،لیکن یقین ہے کہ حق ہمیشہ غالب ہی رہے گا، اگر حق پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے کوئی تکلیف یا مصیبت آجائے تو اللہ تعالی اجر عظیم عطا فرمائے گا، اور آخرت میں سرفرازی اورعزت عطاء ہوگی۔

(۶) کبھی ایسی کسی مسجد میں امام اورموذن نہ بننا جس کے ذمے دار یا متولی عامل یا عالم نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس جاہل اورعوام الناس ہو، کیونکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ جاہل اورعوام متولی یا ذمے دار مسجد کے امام اورموذن کو اپنا مزدور خیال کر کے اس کے ساتھ جاہلانہ برتاؤ کرتا ہے،وہ کبھی بھی عزت واکرام سے پیش نہیں آتا۔

(۷) اپنے آبا واجداد کے پیشے (کھیتی باڑی) کو اختیار کرنا، کیونکہ یہ ایک باعزت اور بابرکت ذریعۂ معاش ہے،جس سے حلال رزق کے ساتھ مخلوقِ خدا کا فائدہ ہوتا ہے۔

(۸) علماء کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی ویسی تجارت میں مشغول ہو کر علم و دین کی خدمت سے محروم ہو جائیں، بلکہ مناسب حد تک کسبِ معاش کر کے قرآن کریم اور علومِ دینیہ کی خدمت میں لگے رہنا زیادہ بہتر ہے،خواہ مکتب کی مدرسی ہی کیوں نہ ہو۔

(۹) حق کے لئے اگر ایک کے بدلے دس خرچ کرنے پڑیں تو وہی کیا کرو،لیکن ناحق کے لئے دس کے بدلے ایک بھی خرچ نہ کرنا۔

(۱۰) ہمیشہ لین دین میں سچائی اور امانت داری کو لازم اورملحوظ رکھا جائے،یہی اعتماد اور

ایمان کی بنیاد ہے۔

(۱۱) اپنے رشتہ داروں کے ساتھ محبت، ہمدردی اور حسنِ سلوک سے پیش آنا، کیونکہ صلہ رحمی باعثِ برکت اور عمر میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے۔

(۱۲) ہمیشہ فقراء و مساکین کا خیال رکھا جائے، ان کی خبر گیری کی جائے، اور حتی المقدور ان کی مدد کی جائے، اس میں اللہ کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے۔

(۱۳) ہمیشہ حق بات کہی جائے، چاہے ظالموں کے سامنے ہی کیوں نہ ہو، اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کی جائے۔

(۱۴) عبادات، خصوصاً نماز اور دعا کی پابندی کی جائے، یہی مومن کا سرمایہ اور دل کا نور ہے۔

(۱۵) ہمیشہ تہجد کا اہتمام کیا جائے، یہ نیک لوگوں کا طریقہ اور قربِ الٰہی کا خاص ذریعہ ہے۔

حضرت کی اولاد:

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدویؒ کے پانچ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں، پانچ صاحبزادوں میں دو حضرت کی حیات میں وفات پا گئے، اور ایک کا انتقال سن 2023ء میں ہوا، بہر حال ان تمام کے حالات کا اجمال کچھ یوں ہے کہ:

(۱) حضرت مولانا کے سب سے بڑے صاحب زادے کا نام مولانا محمود الحسن تھا، جن کا اسی رواں سال 2023ء میں کوکس بازار مہاجرین کیمپ میں انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادۂ گرامی حسین احمد صاحب مدظلہ العالی ماشاء اللہ تعالی حیات سے ہیں، اللہ تعالی ان کی حیات میں برکت دے، آمین۔

(۳) حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحبؒ کے صاحب زادوں میں ایک شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ تھے، ان کی پہلی بیوی ایک لڑکی جننے کے بعد انتقال کر گئی تو انہوں نے دوسری شادی مرحومہ کی

سگی بہن سے کی، لیکن افسوس ہے کہ اس دوسری بیوی کے بطن سے ابھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور خود شبیر احمد صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۴) حضرت مولانا کے ایک صاحب زادہ کا نام محمد سلیم تھا، جو قبل بلوغ انتقال کر گیا۔

(۵) مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اور ایک صاحب زادۂ گرامی قدر مولانا رحمت کریم صاحب مدظلہ العالی ہیں، آپ سابق مہتمم مدرسہ الادارۃ الاسلامیہ دار العلوم ریدہ ارکان برما بھی ہیں، ماشاء اللہ حیات سے ہیں، مولانا فی الحال کوکس بازار ریفوجی کیمپ میں دو تین بڑے بڑے مدارس دینیہ کے مدیر اور ذمہ دار ہیں، اور ہمیشہ قومی و ملی اور مذہبی خدمات سرانجام دیتے ہیں، خوشی کی بات ہے کہ مولانا رحمت کریم کے تعارف کے متعلق خود ان کی خود نوشتہ ایک تحریر ملی ہے، جو حاضر خدمت ہے:

> احقر رحمت کریم بن حضرت مولانا مفتی سلطان احمد کی پیدائش سن ۱۹۷۲ء میں ہوئی، چار سال کی عمر میں مکتب میں تعلیم کا آغاز کیا، اور اس کے ساتھ ساتھ میانمار کے اسکول میں عصری تعلیم بھی حاصل کرنا شروع کیا، میں نے مکتب کے ساتھ سرکاری اسکول میں آٹھویں جماعت تک کی تعلیم حاصل کی، سن ۱۹۸۸ء کے بعد دار العلوم میانجاپور میں داخل ہو کر جماعت دہم و نہم کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دار العلوم ریدہ میں داخلہ لیا اور وہیں جماعت اولیٰ تک کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد مدرسہ احمدیہ سعد اللہ سر میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔
>
> دورۂ حدیث کے بعد میں نے مزید علمی تشنگی بجھانے کے لئے مختلف دورات اور تربیتی پروگراموں میں شرکت کی، ویسے الحمد للہ مجھے متعدد جید علماء و مشائخ اور مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے ممتاز اساتذۂ کرام و دکتور حضرات کی تعلیم و تربیت سے مستفید ہونے کا موقع ملا، فراغت کے بعد میں نے سن ۱۹۹۸ء کو دار العلوم ریدہ میں تدریس کا

آغاز کیا، سن ۲۰۰۱ءکواسی مدرسہ کے محاسب مقرر ہوا، پھر سن ۲۰۰۴ءمیں دارالعلوم ریدہ کے صدرالمدرسین بنا، آخر ۲۰۰۸ءکواس کا مہتمم (پرنسپل) بنا تو یہ ذمہ داری سن ۲۰۱۷ءتک بحسن وخوبی انجام دیتا رہا تھا، اسی دوران احقر کوبشمول چند اہم ساتھیوں کے ۲۰۱۲ءمیں برما (میانمار) کی ظالم حکومت نے محض مسجد میں نماز ادا کرنے کی پاداش میں تقریباً چھ ماہ تک نہایت ظلم وستم کے ساتھ قیدوبند میں رکھا، جہاں ہم سب پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے گئے کہ جس کے تصور سے ہر کسی بھی انسان کے رونگھٹے کھڑے ہوسکتے ہیں اور جس کے محض خیال سے چنگیز وہلاکو جیسے خونخوار بھی شرمائے بغیر نہیں رہ سکتے، بعد میں بھی مسلسل ظلم وستم کے شکار بنے ۲۰۱۷ءکو اپنے آبائی وطن ارکان (میانمار) سے ہجرت کر کے بنگلا دیش آنا پڑا۔

بنگلا دیش پہنچنے کے بعد میں نے کتوپالنگ والے مہاجر کیمپ میں ایک دینی ادارہ قائم کیا، جس کا نام جامعہ اسلامیہ دارالعلوم لسیدنا بلال رضی اللہ عنہ رکھا گیا، الحمدللہ مدرسہ بلال بہت مشہور معروف ہوا، یہاں الف با سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم ہورہی ہے، احقر اس جامعہ کے بانی اور تاحال مہتمم ہے، اس کے علاوہ مجھے روہنگیا مہاجر کیمپ کے ایک معروف دینی ادارہ مرکز الاثری میں نائب مہتمم کے طور پر بھی کئی سال خدمات انجام دینے کا موقع ملا ہے، بحمد اللہ میں اپنی قوم کے روشن مستقبل کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہوں، وطن میں امن و استحکام اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے حتی المقدور جدوجہد کرتا ہوں، ماضی میں الحمدللہ اس حوالے سے بے شمار خدمات انجام دے چکا ہوں، اوراس راہ عزیمت ودعوت میں نمایاں قربانیاں بھی پیش کر چکا ہوں، مزید برآں روہنگیا مسلمانوں کی اپنے اصل وطن واپسی کی جدوجہد میں بھی فعال کردار ادا کر

رہا ہوں، مہاجر کیمپ میں امن وامان قائم رکھنے اور قتل وغارت کی روک تھام کے لئے روہنگیا علماء اور دانشوروں پر مشتمل ایک تنظیم قائم کی گی ہے، جس کا نام RCPR ہے، میں اس کا ایک اہم رکن ہوں"۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ان کی حیات دراز فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پانچ صاحبزادیوں میں سے سب سے بڑی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا، اور چار اب تک الحمدللہ تعالی حیات سے ہیں۔ **ھذا و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔**

محتاج دعاء/

زبیر احمد بن مولانا سعید عالم ریدوی، ارکانی

یہ حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدویؒ کی خودنوشتہ تحریر کا ایک نمونہ ہے

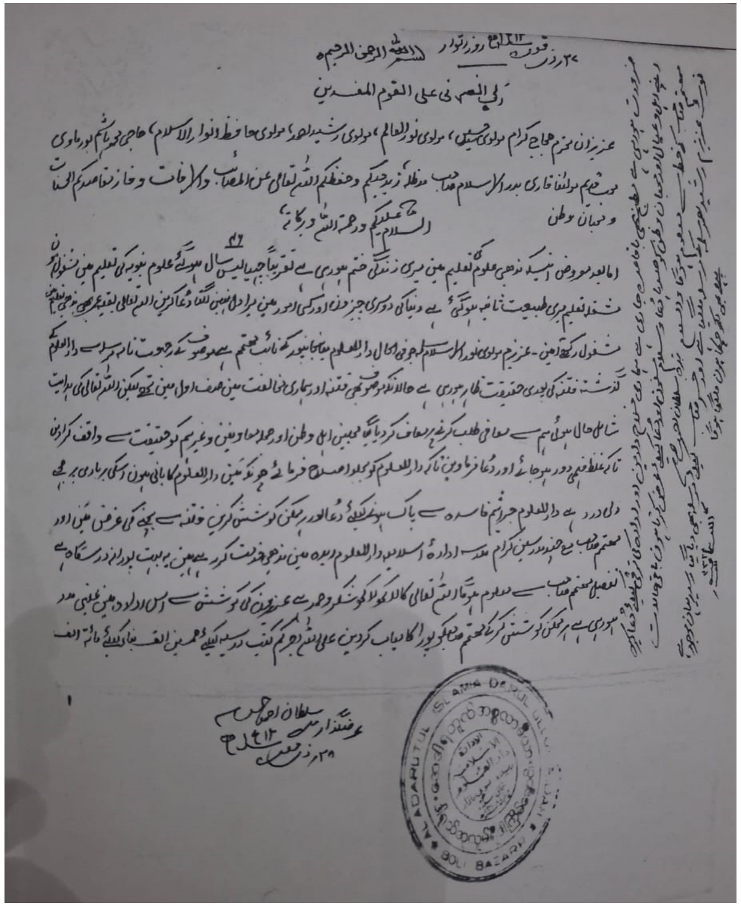

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب انصرنی علی القوم المفسدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حصۂ دوم

تذکرۂ والد محترم حضرت علامہ جناب مولانا سعید عالم بن مولانا عبدالحکیم صاحب ریدوی ارکانی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله على إحسانه والشكر له على توفيقه وامتنانه وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له تعظيما لشأنه وأشهد أن محمد عبده ورسوله الداعي إلى رضوانه وعلى آله وصحبه وإخوانه، امابعد:

سلسلۂ نسب اور ولادت ولقب:

سرزمین ارکان کے معروف عالم دین، معلم و مدرس، خطیب و داعی الی اللہ والد گرامی قدر حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی کی ولادت با سعادت 1935ء مطابق 1354ھ کو بستی ریدہ، بلی بازار، منگڈو ارکان میں علم وعمل کے ایک معروف گھرانے میں ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے کہ: سعید عالم بن عبدالحکیم بن عظیم الدین بن صلاح الدین بن علاء الدین بن تراب الدین، آپ کو علاقے بھر کے سارے لوگ "مہتمم صاحب" کے لقب سے یاد کرتے اور پہچانتے تھے، آپ کے خاندان کو اپنے علاقے میں

شریف اور باعزت خاندان سمجھا جاتا تھا اور اب بھی جاتا ہے، علم وفضل کے اعتبار سے بھی اور نجابت ودینداری کے اعتبار سے بھی اس خاندان کی شہرت دور دراز کے علاقہ جات تک پھیلی ہوئی تھی، آپ کے والد محترم مولانا عبدالحکیم صاحبؒ بہت بڑے عالم دین ہونے کے ساتھ بہت مشہور واعظ وخطیب تھے، باقی آپ کے آباء واجداد میں جو علم وعمل کے مالک تھے، ان سب کو میانجی کہا جاتا رہا تھا، دینی اعتبار سے تقریبا سب کے سب مرجع خلائق تھے۔

دادا حضرت مولانا الحاج عبدالحکیم صاحبؒ:

سرزمین ارکان کے معروف عالم دین معلم ومدرس وخطیب وداعی الی اللہ گرامی قدر جد محترم حضرت الحاج مولانا عبدالحکیم صاحب ریدوی کی ولادت با سعادت ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء کو بستی ریدہ، بلی بازار، منگڈو، ارکان میں علم وعمل کے ایک معروف گھرانے میں ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے کہ: عبدالحکیم بن میانجی عظیم الدین بن میانجی صلاح الدین بن میانجی علاء الدین بن میانجی تراب الدین۔

جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی جا چکی ہے کہ آپ کے خاندان کو اپنے علاقے میں ایک شریف اور باعزت خاندان سمجھا جاتا تھا اور اب بھی سمجھا جاتا ہے، علم وفضل کے اعتبار سے بھی اور دینداری ونجابت کے اعتبار سے بھی، اس خاندان کی شہرت دور دراز کے علاقہ جات تک پھیلی ہوئی تھی، اور جسے دینی اعتبار سے مرجع بھی سمجھا جاتا ہے۔

حضرت مولانا الحاج عبدالحکیم صاحب نے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اپنے علاقے اور بنگلادیش میں پاکر اعلی تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان کا سفر کیا، اور ایک اطلاع کے مطابق سیدھے جاکر شاہجہان پور والے دارالعلوم میں داخلہ لیا، دراں حالیکہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی تقسیم نہیں ہوئی تھی، شنید ہے کہ آپ ماحی البدعت حضرت مولانا ابو الوفاء صاحب کے تلمیذ خاص

تھے، بہرحال اعلی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے اپنے آبائی وطن آکر تدریسی خدمات شروع کی، پہلے مدرسہ دار العلوم احمدیہ سعد اللہ سر میں اس کے بعد دار العلوم میانجاپور میں کچھ مدت پڑھاتے رہے، اس کے بعد زندگی کے آخری ایام تک شمالی منگڈو کی معروف ومردم خیز بستی نائن چنگ کی جامع مسجد میں امامت اور خطابت کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ وہاں کے مکتب میں ابتدائی دینی تعلیم کی ذمہ داریاں بھی ادا کیں، علاوہ ازیں دعوت و ارشاد اور وعظ وتلقین میں بھی مشغول رہا کرتے تھے۔

دادا حضرت خاصے خوش آواز بزرگ ترین عالم دین تھے، یوں بھی شخصی اعتبار سے بڑے جاذب نظر تھے ہی مزید برآں پند ونصیحت کے دورن جگہے جگہے پر برمحل عربی، فارسی اور اردو کے اشعار جو اپنے انداز میں خاصے ترنم سے پڑھتے تو سامعین آپ کی مدھور اور مد بھری آواز سے مگن اور مسحور ہوجاتے تھے، دادا حضرت پند ونصحت کے علاوہ قرآن مجید بھی بڑی خوبصورت اور دلکش آواز سے تلاوت فرماتے تھے، ہمیشہ عبادت الہی اور ذکر و تسبیح اور دیگر اعمال میں مشغول رہتے تھے، حضرت بڑے خوش طبع اور ہر دل عزیز بزرگ عالم دین تھے، کبھی کسی سے غصہ کرنا جانتے تک نہیں تھے، غرض آپ بڑے نرم مزاج انسان تھے، آپ کی تحریر کافی خوش نما تھی، حضرت کا ایک خط بنام حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی دارالعلوم میانجاپور کے خزانہ میں محفوظ تھا، جسے ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے مجھے دیکھاتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو تو سہی تمہارے دادا مرحوم کا یہ خط کتنا خوبصورت ہے۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ میں نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سن رکھا تھا کہ حضرت مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران دادا صاحب نے ایک خط لکھ کر ان کے نام بھیجا تھا، آپ نے یہ خط اپنے ایک خاص استاد جن کا نام افسوس

ہے کہ ابھی میرے حافظہ سے نکل گیا ہے دکھایا تھا، اس استاد نے اس خط کو کافی دیر تک دیکھتا رہا، اس کے بعد تعجب سے فرمایا کہ وہ کتنی خوش نصیب ماں ہے کہ جس نے اس خط کے لکھنے والے انسان کو جنم دیا ہے، کیا انسان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر بھی اتنی خوب صورت ہوسکتی ہے؟ حضرت دادا صاحب کے تین بھائی تھے، ان میں سے آپ سب سے چھوٹے تھے، ان کے علاوہ ایک بہن بھی تھی، دعا ہے کہ اللہ تعالی سب کی مغفرت فرمائیں۔

حیات کے آخری مرحلے کا واقعہ ہے کہ ایک روز دادا صاحب نماز ظہر کی تیاری کر رہے تھے، اچانک گر کر فالج میں مبتلا ہو گئے، ان کے ہاتھ پیر شل ہو گئے، وہاں سے بذریعہ کرسی دو آدمی کاندھے پر اٹھا کر گھر کے اندر لے آئے، اب ایک تعجب کی بات یہ ہوگئی کہ دادی صاحبہ نے جب دادا صاحب کو مرض کی ایسی حالت میں دیکھا تو وہ سخت پریشان ہو گئیں، کیونکہ ان کی تمنا یہی تھی کہ وہ دادا صاحب سے پہلے دنیا سے کوچ کر جائیں، کیونکہ ان کے خیال کے مطابق:

> ”جو عورت شوہر کے بعد مرتی ہے وہ جنت میں اس شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی، وہ اس لئے ہے کہ شوہر کے مرنے سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، بخلاف اس کے کہ جو عورت شوہر سے پہلے مرجائے وہ جنت میں اسی شوہر کے ساتھ رہے گی، کیوں کہ دنیا سے آتے وقت اس کا نکاح ٹوٹا ہوا نہ تھا“۔

اس لئے دادی صاحبہ کی چاہت تھی کہ وہ دادا صاحب سے پہلے مرجائیں، اسی وجہ سے دادی صاحبہ سخت پریشان ہوگئیں، کیوں کہ ان کے خیال میں دادا صاحب ان سے پہلے انتقال کر جائیں گے، اب دادا صاحب کو فالج کے مارے ہوئے حالات میں گھر لایا گیا تو دادی صاحبہ سخت پریشان ہوگئیں، اب اچانک ہوا یہ ہے کہ دادی صاحبہ سخت بخار میں مبتلا ہوکر بے ہوش ہوگئیں، اس حالت میں کئی دن گزر گئے، آخر کار دادا صاحب کے انتقال سے

پہلے ۱۰/ جمادی الثانی/ ۱۳۸۷ھ/ شب جمعہ کو ہوش میں آ کر غسل کیں اور سارے زیورات وغیرہ کھول کر بڑے کپڑے میں لپیٹ گئیں، اس کے بعد کچھ وصیتیں کیں، آخر کار اسی رات ڈیڑھ بجے انتقال کر گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، ویسے ان کی دلی تمنا پوری ہوگئی۔

پھر دادی صاحبہ کے انتقال کے تقریباً دو ماہ بعد ۱۳/ شعبان/ ۱۳۸۷ھ/ بروز جمعرات دن کے گیارہ بجے دادا حضرت کا بھی انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان دونوں کی مغفرت فرما کر جنت کے اعلی مقامات میں جگہ عطا کریں، آمین یارب العالمین۔

تعلیمی حالات:

والد گرامی حضرت مولانا سعید عالم صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے محلہ کے مدرسہ ”مدرسہ عالیہ ریدہ“ میں حاصل کی، زیادہ تر ابتدائی دینی کتابیں جس میں قرآن مجید اور ادعیہ ماثورہ وغیرہ بھی شامل تھا اپنے والد محترم حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، اس کے بعد کی تعلیم علاقے میں اس زمانہ کے مشہور و معروف علمائے کرام جن میں مولانا قاسم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اولی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو آپ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے) پیش پیش تھے کے یہاں پائی، حضرت مولانا اپنے والدین کے سب سے بڑا لڑکا تھا اور آپ کی کوئی بہن بھی نہیں تھی، جب کہ آپ کی والدہ ہمیشہ علالت میں مبتلاء رہتی تھی، جب کہ آپ کے والد حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب بھی گھر سے کہیں دور بستی نائن چنگ میں امامت وخطابت کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہتے تھے، اس لئے گھر کے بعض اہم کام کاج آپ کے سپرد تھے، حتی کہ تمام گھر والوں کے کپڑے بھی آپ کو دھونا پڑتا تھا، اور مرچ مسالہ وغیرہ بھی پیسنا پڑتا تھا، بازار سے سودا سلف اور بعض ضروری سامان لانے کے ساتھ کبھی کبھار

مچھلیاں بھی شکار کر کے سب کو کھلانا پڑتا تھا، غرض آپ کے ذمے گھر کے خاصے کام کاج تھے، اسی لئے اسی وقت آپ کو بڑی مشکل سے تعلیم حاصل کرنا پڑا تھا۔

والدہ کی خدمت کے حوالے سے میرے حقیقی بھانجہ مولوی حامد بن حافظ مولوی شفیع اللہ کا ایک بیان جو اس نے سن رکھا تھا کا ملاحظہ شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ:

”مجھے یاد ہے کہ جب میں جامعہ دار السنہ نہلا کے سینئر استاد سابق ناظم تعلیمات جامعہ میانجاپور حضرت مولانا محمود حسن کے پاس بہشتی زیور پڑھتا تھا تو وہ اکثر مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے نانا کی طرح بننے کی کوشش کیا کرو، جب میں نے پوچھا کہ وہ کیسے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: تمہارے نانا اپنی والدہ کی بے حد خدمت کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر کبھی کلاس میں دیر ہو جاتی اور ان سے وجہ پوچھی جاتی تو وہ کہتے تھے کہ میں اپنی اماں کے کپڑے دھو کر آیا ہوں۔

اسی طرح میری والدہ ماجدہ نے مجھے کہا کہ تیرے نانا اپنی والدہ کے خون آلود کپڑے بھی دھویا کرتے تھے، یہی وہ عظیم خدمت تھی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو صدر العلماء کا مقام عطا فرمایا۔

اسی طرح ایک مرتبہ میری نانی نے مجھے بتایا تھا کہ جب تیرے نانا کی والدہ ان سے تھوڑی خفا ہو جاتیں تو ان کی حالت ہی بدل جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ اپنے کھانا پینا اور آرام تک کو چھوڑ کر اپنی والدہ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہتے، اور ہر چند منانے کی کوشش کرتے، یہاں تک کہ وہ مان جاتی تھیں“۔

مولانا سعید عالم صاحب ریدوی نے متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم مدرسہ دار العلوم میانجاپور، بلی بازار، شمالی منگڈو میں پائی، طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا سعید عالم صاحب بانی

دار العلوم میانجاپور حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی سلطان احمد کے شاگرد رشید ہونے کے ساتھ ان کے دست راست بھی تھے، طالب علمی کے زمانے میں مولانا نے اپنے استاد و شیخ کی خاصی خدمت کی تھی، سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے، آپ نے معقولات و منقولات کے زیادہ تر علوم انہیں سے حاصل کئے، مولانا سلطان احمد صاحب کے علاوہ آپ کے نامور اساتذۂ کرام میں یہ حضرات شامل ہیں:

(۱) حضرت مولانا میر احمد مبارک صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو ناظم صاحب کے لقب سے مشہور تھے)

(۲) حضرت مولانا عبد الودود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو قاری صاحب کے لقب سے مشہور تھے)

(۳) حضرت مولانا سمیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) حضرت مولانا حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) حضرت مولانا صوفی نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوار بیلی۔

متوسطہ سے فراغت کے بعد مولانا سعید عالم صاحب نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بنگلادیش کا سفر کیا، جامعہ اسلامیہ ضمیریہ پٹیہ میں داخلہ لے کر وہاں کے مشہور و متبحر اساتذہ و علمائے کرام سے تفسیر و حدیث اور فنونات عالیہ وغیرہ کی کتابیں پڑھیں، وہاں آپ کے اساتذۂ کرام میں درج ذیل علماء شامل ہیں:

(۱) حضرت مولانا مفتی عزیز الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اسلامیہ ضمیریہ پٹیہ۔

(۲) حضرت مولانا احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو امام صاحب کے لقب سے مشہور تھے)

(۳) حضرت مولانا علی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو بوالی صاحب کے لقب سے مشہور تھے)

(۴) حضرت مولانا مفتی عبد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) حضرت مولانا امیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو میر صاحب حضور کے لقب سے مشہور تھے)

(۶) خطیب اعظم حضرت مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۷) حضرت مولانا مفتی ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

جامعہ اسلامیہ پٹیہ کا شمار اس وقت بھی اور اب بھی صرف علاقۂ چاٹگام میں نہیں بلکہ بنگلا دیش میں ایک عظیم علمی و دینی درس گاہوں میں ہے، وہاں کے مذکورہ نامور حضرات علمائے کرام کے سامنے عرصۂ دراز تک زانوئے تلمذ خم کرکے مولانا سعید عالم صاحب نے علم حدیث اور علم تفسیر کے علاوہ دیگر علوم وفنون پر عبور حاصل کیا، یہاں آپ نے حصول علم کے لئے انتھک محنت کی اور اعلیٰ نمبرات کے ساتھ سند فراغت حاصل کرکے اپنے وطن کو واپس تشریف لائے تھے۔

تدریسی خدمات کی ابتدا:

والد محترم حضرت مولانا سعید عالم صاحب نے ۱۳۷۸ھ میں ضلع چاٹگام کی معروف درس گاہ جامعہ اسلامیہ پٹیہ سے فراغت کے بعد اپنے شیخ ومحسن استاد حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر مدرسہ دارالعلوم میانجانپور میں تدریسی خدمات شروع کیں، آپ نے ۱۴۱۰ھ تک اسی مدرسہ میں لیل ونہار دائم وقائم رہ کر بتیس 32 سال تک خدمات انجام دیں، ۱۳۹۰ھ میں مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا کو اسی مدرسے کا مہتمم مقرر کیا، یوں آپ نے اگلے بیس سالوں تک تدریسی خدمات کے ساتھ اہتمام کی ذمہ داریاں بھی حسن وخوبی کے ساتھ سرانجام دیں۔

حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی رحمۃ اللہ علیہ کے تدریسی حصے میں اکثر تفسیر، حدیث اور فقہ اسلامی کی درسی کتابیں ہوا کرتی تھیں، آپ اپنے حصے کی کتابوں کو بہت ہی جد جہد اور مطالعہ کے بعد پڑھایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے طلبہ حضرت کے درس سے نہایت خوش ہوتے اور حضرت سے پڑھنے کے لئے آرزو کرتے تھے، اور بہت دور دراز سے طالبان وتشنگان علوم نبوت خصوصی طور پر آپ سے پڑھنے کے لئے آتے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آمین۔

دارالعلوم ریدہ کا قیام:

۱۴۱۰ھ میں دارالعلوم میانجانپور کے ارباب حل وعقد کے مابین ایک زبردست اختلاف رونما ہوا، جس نے آگے چل کر فتنے کی شکل اختیار کرلی، جس کی قدرے تفصیلات شیخ الحدیث مولانا مفتی سلطان احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں، اسی اختلاف اور بعد میں اس سے برپا ہونے والے فتنے کے نتیجے میں حضرت مولانا سعید عالم صاحب دارالعلوم میانجانپور کی خدمات اور ذمے داریوں سے سبکدوش ہوگئے، یہاں سے علیحدگی کے بعد آپ نے اپنی آبائی بستی ریدہ میں اپنے استاد وشیخ حضرت مولانا مفتی سلطان احمد کی معیت میں ایک مدرسہ قائم کیا، جس کا نام الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ رکھا گیا، آپ نے اس نوزائدہ مدرسہ میں تقریبا دس 10 سال تک تدریس کے ساتھ اہتمام کی خدمات انجام دیں۔

ہجرت کے ساتھ دیگر تدریسی خدمات:

ابھی حضرت مولانا سعید عالم صاحب دارالعلوم ریدہ کی خدمات میں مصروف عمل تھے، آپ کو مدرسہ کی تحصیل کے سلسلے میں ہمیشہ غیر قانونی طور پر سفر کرنا پڑتا تھا، ایسی حالت میں آپ کو برمی حکومت کے مسلسل ظلم وستم اور آئے دن ہونے والے تشدد واستبداد سے مجبور ہوکر بنگلا دیش کی طرف ہجرت کرنا پڑا، ہجرت تو کی لیکن آپ اپنی جائے ہجرت میں بھی بیٹھے ہوئے نہیں تھے، چنانچہ آپ نے دارالعلوم ریدہ کی تحصیل سے فراغت کے عرصے میں بلا معاوضہ (اور ریدہ سے باضابطہ علیحدگی کے بعد معاوضہ کے ساتھ) نہلا، کوکس بازار کی معروف اسلامی درس گاہ مدرسہ دارالسنہ نہلا میں بحیثیت مدرس تفسیر وحدیث کے کتابوں کا درس دیتے تھے، آپ کی خدمات کا یہی سلسلہ آپ کی مستعار زندگی کے آخری دم تک برابر جاری تھا، ویسے حساب لگانے پر پتہ چلا کہ حضرت مولانا نے پورے اٹھاون 58 سال

تک مسلسل تدریسی خدمات کے ساتھ مختلف قابل قدر ذمے داریاں نبھائیں، اس کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس جہان فانی سے رخصت لی، اللہ تعالی آپ کی جملہ خدمات کو قبول فرماتے ہوئے آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

وعظ ونصیحت، دعوت وارشاد:

یہ حقیقت سورج کی طرح عیاں ہے کہ والد محترم حضرت مولانا سعید عالم صاحبؒ بہت مشہور واعظ، داعی اور ایک عظیم مرشد برحق تھے، سرزمین ارکان، رنگون، بنگلادیش، سعودی عرب ،متحدہ عرب امارات، ملائشیا اور پاکستان وغیرہ ممالک غرض جہاں جہاں ہماری برادری کے ساتھ چاٹگامی لوگ رہائش پذیر ہیں وہاں حضرت مولانا کی شہرت عیاں ہے، آپ جہاں کہیں بھی جاتے پند ونصیحت، دعوت وتبلیغ اور تلقین وارشاد کی محفلیں سج جاتیں، ہر ایک آپ کے نصیحت وارشادات کو شوق و ولولے اور جذبہ و آگہی سے سنتا تھا، ویسے آپ کے پند و نصیحت کی سینکڑوں ریکارڈ شدہ کیسٹ ملتی ہیں، جب کہ آج کل سوشل میڈیا کا دور ہے، یوٹیوب اور فیس بک وغیرہ میں بھی آپ کی مدھور اور مدھری آواز کے ساتھ جان سوز اور دلنشین خطابات ملتے ہیں، پتہ چلا ہے کہ ان سوشل میڈیا کے واسطے سے بھی لوگ اب بھی آپ کے پند ونصیحت کو بڑی آگہی اور دل لگی کے ساتھ سنتے ہیں، پھر آپ کی آواز میں خاصی جاذبیت اور کافی دلکشی پنہاں ہوتی ہے ، اور مضامین کے ساتھ باتیں نہایت مؤثر ہوتی ہیں، سننے والوں کا دل نرم ہوجاتا ہے، پند ونصیحت کے دوران موقع ومحل کے مطابق آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں، آپ اپنے دوران خطاب اردو، فارسی اور عربی کے معنی خیز ابیات خوبصورت لے ودھن اور لحن آواز کے ساتھ شامل کیا کرتے تھے، جن کی وجہ سے سننے والوں کا دل خوشی سے باغ باغ ہوجاتے تھے، موضوعات بیان قرآن مجید، احادیث نبویہ، سیرت رسول علیہ

الصلوۃ والسلام اور واقعات صحابہ کرام کی روشنی میں ہوتے تھے، نہ جانے آپ نے اپنے پند و نصیحت کے ذریعے کتنے طالبان رشد وہدایت کو قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی کی ہوگی، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آج بھی حضرت کے مؤثر اور دلپذیر وعظ ونصیحت اور ارشاد وتلقین کا تذکرہ ہماری برادری کے عام وخاص کی زبان سے سنا جاتا ہے۔

ارکان میں حضرت مولانا جب تک رہے، اکثر پند ونصیحت کی مجالس کھلے میدان میں مائکنگ یعنی میکروفون سے سجتی رہیں، کسی مقام پر جبھی حضرت کی شرکت و آمد کا اعلان ہوجاتا تو چاروں اطراف سے سامعین کرام کا ریلا ہوجاتا، ویسا بہت بڑا مجمع ہوجاتا تھا، کبھی کبھار مجلس اتنی بڑی ہوجاتی تھی کہ ایک طرف سے دوسرے طرف کسی کو پہچانا تک نہیں جاتا، خواتین اسلام اپنے اپنے گھروں میں کام کاج سے جلدی جلدی فارغ ہوکر وعظ ونصیحت سننے میں مشغول ہوجاتی تھیں، اسی طرح آپ کو مدارس اسلامیہ کے سالانہ جلسوں میں شرکت کے لئے دور دراز کے علاقہ جات تک لے جایا جاتا تھا، اور اہل مدرسہ اور سامعین کرام آپ کے جاذب دل اور دلکش بیان سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔

حضرت نے فراغت تعلیم کے بعد اپنی زندگی کے آخری عرصے تک مسلسل پند ونصیحت کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا، زندگی کے آخری عرصے میں ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آپ نے اپنے پند ونصیحت کا سلسلہ کبھی بھی بند نہیں کیا تھا، اس حوالے سے ایک بڑی اور قابل ذکر بات یہی ہے کہ آپ نے ارکان اور بنگلہ دیش کے عام واعظین و ناصحین کی طرح پند ونصیحت کا معاوضہ کبھی بھی نہیں لیا تھا، زندگی کے آخری عرصے میں پند ونصیحت کی محفلوں کو جاتے وقت اپنے ساتھ مساکین وایتام طلباء کو لے جاتے، جب صاحب دعوت معاوضہ دینا چاہتا تو آپ فرمادیتے کہ معاوضہ ان مسکینوں اور یتیموں کے درمیان تقسیم کردیا جائے، سبحان اللہ تعالی۔

حضرت مہتمم کی طبیعت اور مزاج:

حضرت مہتمم صاحب کی طبیعت میں نرمی غالب تھی، آپ بڑے خوش طبع اور ہر دل عزیز عالم دین تھے، جس کی وجہ سے آپ علماء و مشائخ، طلباء و تلامذہ، عوام و ہم جھولیوں اور ہمسایوں کے درمیان محبوب اور مقبول عام تھے، حضرت کے برتاؤ اور معاملات سے تمام مدرسین کرام اور طلبہ خوش رہتے تھے، کبھی کسی کو بھی حضرت سے خفا و برگشتہ، برہم اور رنجیدہ نہیں دیکھا جاتا تھا، آپ کی طبیعت میں خدمت خلق کا شوق وجذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، مدرسہ میں مدرسین کرام کے لئے کبھی کبھار کھانا وغیرہ خود اپنے ہاتھ سے پکایا کرتے اور اسے خود اپنے اہتمام میں کھلاتے تھے، جبھی حضرت کو مطبخ میں دیکھتے تو تمام مدرسین کرام خوش ہو جاتے تھے، ماشاء اللہ آپ دست کاری کے حوالے سے بڑے فن کار تھے، مدرسہ کے مدرسین کرام کے آرام کے لئے سریر وغیرہ اور ان کی کتب بینی کے لئے میز اور کتابیں رکھنے کے لئے بھانس پھونس کی الماریاں اپنے ہاتھ سے بنا کر دیتے تھے، بیت الخلاء وغیرہ مرمت کرتے وقت حضرت خود تشرف لے جاتے اور نیچے اتر کر اسے اپنے ہاتھوں سے صفائی کرتے تھے، تاکہ مرمت کرنے والوں کو تکلیف اور دقت نہ ہو پائے۔

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر کسی سے ناراض اور خفا ہو جاتے اور اس کے ساتھ سختی سے معاملہ فرماتے تو حضرت مولانا سعید عالم صاحب بیچ میں آجاتے تھے، اور شفارشی بن کر ان کے مابین صلح کرتے اور معاملہ کو آسان کر دیتے تھے، حضرت مولانا اپنی مستعار زندگی میں کبھی کسی شاگرد یا اہل وعیال سے زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکے تھے، اگر کبھی تھوڑے غصہ اور ناراض ہو جاتے تو چند لمحے کے گزرتے نہ گزرتے رضا مند ہو جاتے تھے، مہمان نوازی اور دوسروں کی خدمت شوق سے کرتے تھے، آپ دوسروں کو کھلا پلا کر نہایت خوش ہو جاتے تھے، کوئی مہمان گھر میں یا مدرسہ میں آجاتے تو

بہت خوش ہو جاتے، اس کی بڑے تواضع کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے مہمان نوازی کرتے تھے، گھر کے تمام کام کاج میں شریک ہو جاتے، اپنوں کی شادی بیاہ میں کھانا پکانے کی ذمہ داری خود شوق سے اٹھاتے اور اسے بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا کرتے تھے، حضرت کی طبیعت ومزاج ہی قدرتی طور پر کچھ ایسا تھا کہ آپ کبھی بھی بغیر کام کاج کے بیٹھے ہوئے نہیں رہ سکتے تھے، ہر حال میں کسی نہ کسی دنیاوی یا اخروی کام میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت مولانا سال میں دو تین مرتبہ اپنے تلامذہ کو ساتھ لے کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جاتے، اور وہاں سے مدرسہ کے مطبخ کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لے آتے تھے، اس حوالے سے سب سے بڑی بات یہی تھی آپ اپنے تلامذہ کی معیت وشمولیت ان کی طرح لکڑیاں خود ڈھو کر لایا کرتے تھے، سبحان اللہ تواضع وخاکساری کی کیا ہی شان تھی، ایسے بندگان خدا اور وہ بھی ایک عظیم عالم دین کی شکل میں آج کل ڈھونڈنے سے کہاں ملے؟ اللہ تعالی حضرت مرحوم کو جزاء ئے خیر اور آخرت میں آپ کا درجہ بلند فرمائے آمین۔

حضرت مہتمم صاحب کے اسفار:

پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ حضرت مولانا سعید عالم صاحب نے ۱۳۷۸ھ میں دار العلوم میانجانپور کی تدریسی خدمت شروع کی، اس دار العلوم کے حوالے سے تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ تحصیل کی بعض ذمے داریاں بھی آپ کے ذمے رہیں، علاوہ ازیں جبھی آپ کو دار العلوم میانجانپور کا مہتمم بنایا گیا، تبھی سے آپ کو اندرون اور بیرون وطن کا مسلسل سفر کرنا پڑا تھا، جس کی وجہ سے اکثر داخلی وخارجی اسفار کی نوبت آجاتی تھی، جن میں سعودی عرب اور پاکستان شامل ہیں۔

1978ء میں حضرت مولانا کو دار العلوم میاجانپور کی تحصیل کے لئے سعودی عرب کا پہلا سفر

پیش آیا، وہاں پہنچ کر آپ نے مقدور بھر محنت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، یوں آپ وہاں سے بڑی ہی کامیابی کے ساتھ واپس آئے، مولانا کی حوصلہ بھری کامیابی کے ساتھ آمد کے بعد اسی سال دارالعلوم میاجانپور کی اقتصادی و معاشی خوش حالی کے ساتھ یہاں قابل دید عمرانی ترقی ہوئی، اس سفر کے بعد مزید تقریبا دس پندرہ مرتبہ دارالعلوم میاجانپور کے حوالے سے آپ نے پاکستان، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات کا سفر کیا، ہر ایک سفر میں آپ کامیابی سے ہم کنار ہوئے، جس کے بین شواہد اراکین مدرسہ کے علاوہ مدرسہ کے در و دیواریں، بلند و بالا اور جاذب نظر عمارتیں ہیں، اسی طرح آپ نے کبھی کبھار اسی مدرسہ کی تحصیل کے لئے برما کے دارالحکومت رنگون کا سفر بھی کیا، علاوہ ازیں اس حوالے سے بنگلا دیش کے جو سفر آپ نے کئے ان کا شمار ممکن نہیں۔

1410 ھ میں جبھی آپ دارالعلوم میاجانپور کی خدمت سے علیحدہ ہوگئے، تبھی آپ مدرسہ الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ کا موسس مہتمم مقرر ہوئے، چنانچہ اس کے بعد آپ نے موخر الذکر مدرسہ کی تحصیل کے لئے سعودی عرب، پاکستان، متحدہ عرب امارات کے متعدد و مختلف سفر کئے، جس کا سلسلہ اگلے کئی سالوں تک مسلسل جاری رہا، اسی آمد و رفت کے دوران ہی حضرت مولانا کو ارکان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا، چنانچہ آپ نے بنگلا دیش کے معروف علاقہ جنوبی چاٹگام میں پناہ لی، لیکن آپ نے اپنی ہجرت کے باوجود اس موخر الذکر اپنی بناہ کردہ درس گاہ کو نہیں بھولا، چنانچہ ہجرت کے بعد بھی وہاں کے لئے مختلف سفرِ تحصیلات جاری رکھے، تاہم آپ اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے اگلے کئی سالوں کے بعد مدرسہ الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ کی خدمات سے سبکدوش ہوگئے، اس کے بعد آپ نے مدرسہ دارالسنہ نہلا، کوکس بازار، بنگلہ دیش میں تفسیر و حدیث کی تدریسی خدمات شروع کیں، اور اسی جامعہ کی

تحصیل کے لئے بھی دو ایک مرتبہ برما کے دارالحکومت رنگون کے سفر کئے، آپ اپنے ان اسفار میں بھی نہایت کامیاب ہوئے، اس وجہ سے دار السنہ نہلا والے آپ پر بڑے خوش ہوئے تھے۔

حضرت مولانا نے ۱۹۷۸ء سے لے کر جتنی مرتبہ سعودی عرب کا سفر کیا، ہر مرتبہ آپ عمرہ اور حج ادا کرتے رہے تھے، اب کہنا ہی مشکل ہے کہ اس دوران آپ نے کتنے حج اور کتنے عمرے کئے ہیں، سعودی عرب کی طرف سب سے آخری سفر جو صرف اور صرف حج وعمرہ کے لئے آپ نے کیا، وہ ۱۴۳۱ھ کا سفر تھا، اس سفر سے پہلے آپ برمی دارالحکومت رنگون کو دارالسنہ نہلا کے لئے پہنچے ہوئے تھے، وہاں آپ کے آخری حج وعمرہ کے متعلق کیا ہوا وہ بھی سن لیجئے:

> ”رنگون میں حضرت مولانا سعید عالم صاحب کے محبین میں سے ایک صاحب جس کا نام حسین احمد (شویمونگ) تھا نے آپ سے کہا کہ آپ کو دنیا میں کس چیز کی آرزو اور تمنا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ میں نے بہت مرتبہ حج اور عمرے کئے، لیکن سب کے سب مدارس کی تحصیلات کے سلسلے کے دوران میں تھے، اس لئے مجھے ایک مرتبہ صرف اور صرف حج اور عمرہ کے مقصد سے حجاز مقدس پہنچنے کا شوق وتمنا ہے، اب حضرت سے اس محب نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ تیار ہو جائیں، اس حوالے سے سارے مصارف کا اکیلا میں ذمہ دار ہوں، چنانچہ اس محب کے مصارف سے حضرت مولانا نے 1431ھ میں سعودی عرب کا سفر کیا تھا، جو حضرت کا آخری سفر ثابت ہوا ہے، اسی سفر سے واپسی کے بعد آپ نے دم آخر تک اور کہیں سفر نہیں کیا، اس کے بعد دنیا سے رخصت ہو کر مولائے حقیقی سے جا ملے“۔

جہاد ارکان کے متعلق حضرت مہتمم صاحب کا کردار:

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب کے تذکرہ میں یہ بات لکھی چکی ہے کہ حضرت مولانا سعید عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ مہتمم صاحب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست تھے، سرزمین ارکان اور یہاں کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور نجات کے حوالے سے حضرت مفتی صاحب نے جہاں جہاں اور جن جن مجالس میں شرکتیں کیں اور جن جن سرگرمیوں میں حصہ لیا وہاں حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ ساتھ تھے، حضرت مفتی صاحب کی طرح جمعیت علمائے روہنگیا ارکان برما کے ممبران میں سے حضرت مہتمم صاحب بھی تھے، مولانا اپنے استاد وشیخ کی طرح ہمیشہ شوق جہاد کے ساتھ بعض جہادی سرگرمیوں میں شامل تھے، لیکن زندگی میں اس حوالے معتد بہ کام کرنے کا موقع بہت کم ملا تھا، کاش اگر اس میدان میں کام کرنے کا موقع مل جاتا، شاید میدان درس وتدریس اور دعوت ارشاد کی طرح ایک کام کے آدمی ثابت ہوتے۔

بہر حال حضرت مولانا سعید عالم صاحب اپنے پند ونصیحت اور ارشاد وتلقین کے دوران قرآن وحدیث، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام کے تعامل مبارکہ کی روشنی میں جہاد اسلامی کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کیا کرتے تھے، جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ اگر چہ حکومت وقت ظاہر ہے کہ اس قسم کی گفتگو پر پابندی لگا چکی تھی، لیکن ارکان برما جیسی سر زمین میں حضرت اپنے دینی فریضے کی ادائگی پر تلے ہوئے تھے، مجالس وعظ نصیحت میں جہاد کی فضیلت بیان کر کے سامعین حضرات کو جہاد کا شوق اور اس اہم فریضۂ دینیہ کی طرف توجہ دلاتے تھے، حجاز مقدس کے دوران سفر آپ نے مقامات جہاد مثلا بدر، احد، خندق، اور حنین و غیرہ کی زیارت کی تھی، اور وہاں اپنے متعلقین واحباب کے سامنے جذبۂ جہاد ظاہر کیا تھا، اللہ تعالی آپ کو شہادت کا درجہ نصیب فرمائیں، آمین۔

حضرت کی عبادات:

حضرت مولانا سعیدلم صاحبؒ عبادات الہیہ کا بہت ہی اہتمام کرتے تھے، حتی المقدور کبھی نماز باجماعت فوت نہیں ہونے دیتے، اکثر بیشتر امامت بھی کرتے تھے، نوافل کا بھی بہت ہی اہتمام کرتے تھے، تہجد، اشراق، اوابین وغیرہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے، تہجد کے بعد ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے، بہت ہی دلکش آواز سے ذکر جلی کرتے، دوران ذکر جلی آپ کی آواز ایسی مدھور ہوتی تھی کہ سننے والوں کے جسم وجان بھی جھوم اٹھا تھا۔

رمضان شریف میں حضرت مولانا کی حالت بدل جاتی تھی، اس شہر شریف میں آپ کی عبادات اور بندگی میں خاصے اضافے ہو جاتے تھے، رمضان کریم تو رمضان کریم بلکہ عام حالات میں بھی آپ قران مجید کی تلاوت تدبر کے ساتھ اور وہ بھی کثرت سے کیا کرتے تھے، صلوۃ تراویح اور تہجد وغیرہ نوافل کو بڑی اہمیت کے ساتھ ادا کرتے تھے، بطور خاص رمضان کے مہینے میں پند ونصیحت اور ارشاد وتلقین کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمے داری کو بڑی حکمت ومصلحت اور دلنشین موعظت کے ساتھ نبھاتے تھے، اہل وعیال، عزیز واقارب، جار وجیران کو مکمل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پابند دیکھنا چاہتے اور اس کی کوششیں کرتے تھے، حالت سفر میں ہوتے تو اور بات ہوتی، لیکن حالت حضر میں اکثر اوقات کتب بینی میں مشغول رہتے تھے، مدرسہ میں طالبان علوم نبوت کو اخلاق حسنہ کی طرف توجہ دلاتے تھے، اور اس حوالے سے نہایت کوشاں اور سرگرداں رہا کرتے تھے۔

حضرت مولانا نے اپنی مستعار زندگی میں کبھی بھی کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا نہیں کی، زندگی کے آخری ایام میں ڈاکٹروں نے معاینہ وعلاج کے بعد آپ کو کہا کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کی جائے، لیکن آپ نے ان کی بات نہیں مانی، اور ہر سنی کو ان سنی کر دیا، چنانچہ اس حوالے سے

آپ فرمایا کرتے تھے کہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنے کے بجائے مصلے پر بیٹھ کر نماز ادا کروں گا، اور ویسے ہی کرتے رہے تھے۔

ارادت واجازتِ بیعت:

والد محترم حضرت مولانا سعید عالم صاحبؒ کی طبیعت میں عبادت الہیہ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، عبادت وبندگی گویا آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، ویسے آپ بیک وقت ایک عالم دین بھی تھے اور عابد وزاہد بھی، طالب علمی کے زمانے سے آپ نماز باجماعت، نوافل، ذکر وتلاوت اور تہجد وغیرہ عبادات کے بڑے ہی پابند تھے، آپ نے جامعہ اسلامیہ پٹیہ کے دوران تعلیم وہاں کے عظیم مربی عالم دین، مشہور شیخ طریقت اور معروف ولی اللہ حضرت مولانا علی احمد صاحب بوالوی کے مبارک ہاتھوں پر بیعت وارادت کی سنت ادا کی، اور حضرت شیخ کی صحبت میں رہ کر خاصے مجاہدہ بھی کیا، غالبا فراغت تعلیم کے بعد جبھی حضرت مولانا علی احمد صاحب بوالوی مدرسہ دارالسنہ نہلا کے جلسے میں تشریف لائے، وہاں مجلس عام میں سینکڑوں لوگوں کی حاضری میں آپ کو اجازت بیعت عطا فرمائی تھی، ویسے مولانا ایک عالم دین، ناصح ومصلح اور کامیاب منتظم ہونے کے ساتھ ایک صاحب دل شیخ طریقت بھی تھے، اللہ تعالی حضرت کے مقامات کو بلند فرمائے، آمین۔

سانحۂ ارتحال:

حضرت مولانا سعید عالم صاحب بڑی شان اور آن بان کے مالک عالم دین تھے، آپ کی پوری زندگی کو دو چار لفظوں میں کہا جائے تو بات یہی ہے کہ آپ کی پوری حیات مستعار اللہ

تعالی کی بندگی اور خدمات خلق میں گزر گئی تھی، سرزمین ارکان میں دور آخر میں آپ جیسے عالم دین بہت ہی کم گزرے ہیں، جو بیک وقت عالم دین بھی ہو اور عامل سنت وشریعت بھی، ایسے حالات میں آپ نے آخر کار داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔

بنگلادیش کو ہجرت کے کئی سال بعد حضرت مولانا دارالسنہ نہلا کے دوران تدریس ڈاکٹر جمال صاحب نہلوی کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے اور امامت بھی فرماتے تھے، انتقال کے ایک ہفتہ پہلے جمعہ اور خطبہ سے فراغت کے بعد مسجد والوں سے کیا فرمایا وہ بھی سن لیجئے کہ:

> ''میں آج کے بعد جمعہ نہیں پڑھاؤں گا، تم لوگ فلاں فلاں تین علماء میں سے جس کو پسند ہو جمعہ کے لیے امام بنالینا، یہ سن کر مسجد والوں نے فرمایا آپ اگلے جمعہ کو ہمارے ساتھ افطار میں شرکت فرمائیں (یاد رہے کہ حضرت مولانا کبھی کبھار ان لوگوں کے ساتھ افطار کرتے تھے) تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں شاید اگلے جمعہ کو جنت میں افطار کروں گا انشاءاللہ''۔

واقعی اسی جمعہ کے دن صلوۃ العصر کے بعد آپ کی صلوۃ جنازہ ہوئی، اور قبل الغروب آپ کو سپرد خاک کیا گیا، حیات کے بالکل آخری حصے میں رمضان کے پہلے مدرسہ کے حسابات کے حوالے سے مدرسہ والوں سے مکمل تصفیہ ہو چکا تھا، اس کے بعد آپ مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا کے ایک صاحب زادہ سے یہ روایت ملی ہے کہ:

> ''میری والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ والد صاحب حضرت مولانا سعید عالم صاحب ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ ان کا انتقال رمضان المبارک میں وہ بھی بروز جمعہ ہوجائے، چنانچہ اللہ تعالی نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا تھا''۔

حضرت مولانا کی وفات 21/رمضان مبارک/1436ھ مطابق 9/جولائی/2015ء بروز

جمعرات بوقت شام پانچ بجے 15 منٹ میں چاٹگام بنگلادیش کے ایک ہسپتال میں ہوئی۔
حضرت مولانا نے پانچ رمضان شریف کو راقم سطور کی والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ اگر اس رمضان میری وفات نہ ہوئی ہوتو میں جلد نہیں مروں گا، اس کے بعد کا واقعہ صاحب زادۂ گرامی مولوی رشید اللہ صاحب کی زبانی سمعت کیجئے کہ:

> ’’والد محترم اپنی وفات کے دو ہفتہ پہلے مجھے اپنے ساتھ لے کر نہلا والے قبرستان کو گئے، وہاں قبروں کی زیارت کے بعد ہر طرف دیکھنا شروع کر دیا، اسی دوران آپ نے اپنے لئے ایک جگہ حضرت مولانا قاری بدر الاسلام صاحب کو لار بیلی کے بالکل قریب تجویز فرمائی، بعد ازاں فرمایا کہ اگر میں مرجاؤں تو مجھے اسی جگہ سپرد خاک کر دینا‘‘۔

حضرت والد صاحب نے 1436ھ 20/ رمضان شریف روز بدھ کے سحری تناول فرمایا، اس متصل بعد حضرت کے سینے میں درد شروع ہو گیا تھا، یہ درد وقت کے ساتھ تدریجا بڑھتا ہی گیا، گھر میں موجود لوگوں سے فرمایا تم نماز ادا کرلو میں بعد میں ادا کروں گا، مجھے درد زیادہ محسوس ہو رہا ہے، یہ سن کر سب نے نماز فجر ادا کرلی، اس دوران حضرت مولانا کا درد اور بھی بڑھ گیا، بعد نماز فجر حضرت کو گاڑی کے ذریعہ کوس بازار لے جا کر وہاں کے ایک بڑے ہسپتال میں داخل کیا گیا، معاینہ وتشخیص کے بعد ماہر ڈاکٹروں نے کہا کہ خون کا دورانیہ بالکل صفر میں ہے، جسے اٹھایا بڑھایا بھی نہیں جارہا ہے، اگر مولانا کے رشتہ داران دور میں ہیں تو انہیں قریب آکر رہنے کو کہہ دیا جائے، مولانا کی حالت انتہائی خراب ہے، جب یہ خبر گھر تک پہنچ گئی تو والدہ صاحبہ مع اپنے سگے داماد ہسپتال پہنچ گئے، والدہ محترمہ ہسپتال پہنچی تو حضرت مولانا قدرے صحت مند ہو گئے، اب بات چیت بھی قدرے صحیح طریقے سے کر رہے تھے، ایسے حالات میں ڈاکٹروں نے کہا کہ حضرت کو ایمبولنس بشمول اکسیجن کے چاٹگام

کے کسی بڑے ہسپتال کو لے جانا مناسب ہوگا، چنانچہ 21/ رمضان صبح سویرے حضرت کو ایمبولنس کے ذریعے چاٹگام کے بڑے ہسپتال میں پہنچایا گیا، جبھی ایمبولنس لایا گیا تو آپ خاصے خفا ہو کے کہنے لگے کہ یہاں مردہ اٹھانے والی گاڑی کیوں لائی گئی، کیا میں مرگیا ہوں؟ اب حضرت کو سمجھایا گیا کہ آپ کو اس امبولنس بشمول اکسیجن کے ساتھ چاٹگام لے جانے کو ڈاکٹروں نے کہا ہے، اس لئے یہ گاڑی لائی گئی ہے، کیوں کہ آپ کو ایسی حالت میں اکسیجن کے ساتھ لے جانے کے لئے کوئی دوسری گاڑی مناسب نہیں ہے، بہر حال چاٹگام ہسپتال میں داخل کرنے کے بعد ڈاکٹروں نے اچھی طرح معاینہ کیا، اب حالات کی نزاکت کو سامنے رکھ کر بعد نماز ظہر آپ کو عنایہ مرکزہ ((ICU) میں داخل کر دیا، عنایہ مرکزیہ میں ڈاخل کرنے سے پہلے بظاہر حضرت مولانا قدرے صحت مند ہو گئے تھے، زیادہ درد نہیں ہو رہا تھا، چونکہ والدہ محترمہ بھی ساتھ تھیں، اس لئے حضرت نے اپنے لڑکا جو وہاں موجود تھا اس کو فرمایا کہ فورا تمہاری والدہ کے لئے کسی ہوٹل سے ایک مناسب کمرہ کرایہ پر لیا جائے، کیوں کہ وہ رات بھر سوئی نہیں ہے، جب کہ وہ بھی دل کی مریضہ ہے، جبھی والدہ صاحبہ کو وہاں سے آرام کرنے کے لئے کمرہ میں لے جایا گیا تو حضرت کا درد دوبارہ زور پکڑ گیا، دراں حالیکہ ہسپتال میں حضرت کے ساتھ اپنا کوئی نہیں تھا، شنید ہے کہ ایسی حالت میں ہسپتال والوں سے آپ نے گزارش کی تھی کہ کوئی میرے بچہ کو بلالاؤ، ہسپتال والوں نے بھی ہر چند کوشش کی، حضرت کے بچے کو ٹیلیفون پر ٹیلی فون کیا، مگر اس نے کمرے میں حالت نیند میں ہونے کی وجہ سے ٹیلیفونک آواز نہیں سنی، آخر کار حضرت کا عصر کے بعد وہاں ہسپتال میں انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، انتقال کے دوسرے دن جمعہ کو ایمبولنس کے ذریعے آپ کو اپنی رہائش گاہ میں لایا گیا، اسی روز بعد عصر متصلا نماز جنازہ پڑھ کر سپرد خاک کر دیا گیا، اللہ تعالی حضرت کے درجات بلند کرے اور فردوس بریں میں جگہ عنایت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

حضرت مہتمم صاحب کے مشہور تلامذہ:

والد گرامی محترم حضرت مولانا سعید عالم صاحب معروف بہ مہتمم صاحب کی پوری زندگی درس وتدریس، تعلیم وتعلم اور دعوت وارشاد میں گزر چکی ہے، حضرت سے جن تشنگان علوم نبوت نے سیرابی حاصل کی ان میں سے بعض حضرات میدان علم وعمل، تعلیم وتربیت، دعوت وارشاد اور خدمات عامہ کے اہم مناصب پر فائز رہ چکے ہیں، اوران میں سے بعض حضرات آج بھی درس وتدریس کے علاوہ وعظ وارشاد کے شعبے سے وابستہ ہیں، اور بعض حضرات علمائے عظام صحاح ستہ کی کتابوں کے درس وتدریس دے کر محدث صاحب کے القاب سے مشہور ہیں، ان حضرات کا من وعن شمار تو یہاں ممکن نہیں، تاہم ان میں سے چند قابل ذکر شخصیات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

1۔شیخ الحدیث مولانا نور العالم صاحب مدظلہ العالی وبارک اللہ فی حیاتہ محدث وصدر المدرسین دارالعلوم میانجانپور سابقا، ومدیر مدرسہ توحیدیہ، جدہ کیلو/ 14 حالیا۔

2۔شیخ رشید احمد بن عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ رشیدیہ، جدہ کلو/ 14 محدث دارالعلوم میانجانپور سابقا۔

3۔شیخ الحدیث مولانا مفتی صدیق احمد ابوالخیر صاحب بارک اللہ فی حیاتہ محدث ومفتی ورئیس دارالعلوم احمدیہ سعد اللہ چر، شمالی منگڈو۔

4۔حضرت مولانا سعید عالم بن مولانا تجمل حسین صاحب بارک اللہ فی حیاتہ مہتمم مدرسہ دارالعلوم احمدیہ سعد اللہ چر، ومہتمم مدرسہ صاحب بازار، وخطیب ارکان برما وبنگلا دیش اوردیگر ممالک اسلامیہ۔

5۔حضرت مولانا عبداللہ بن خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث و مدیر دارالعلوم میانجاپور۔

6۔حضرت مولانا محمد حنیف صاحب راغب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث و استاد المعقولات والمنقولات جامعہ دارالسنہ نہلا، کوکس بازار، بنگلا دیش، ومدرس دارالعلوم میانجانپور سابقا۔

7۔حضرت مولانا نور الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ بلی حضور صاحب، مدرس الحدیث والمعقولات دارالعلوم میانجانپور سابقا، و مدرسہ دار السنہ نہلا، کوکس بازار، بنگلا دیش۔

8۔حضرت مولانا حامد حسین صاحب کیوکٹوی رحمۃ اللہ علیہ محدث جامعہ صوفیا رنگون، برما۔

9۔حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمت اللہ علیہ اکیابی محدث وبانی مدرسہ چکی بازار، اکیاب۔

10۔حضرت مولانا دین محمد صاحب شہید فرینڈنگی، راسیدنگی۔

11۔حضرت مولانا صالح احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس ومحدث مدرسہ چکی بازار، اکیاب۔

12۔حضرت مولانا فیض الحق صاحب بارک اللہ فی حیاتہ محدث فی احدی المدارس فی بنگلا دیش، ومدرس دارالعلوم میانجانپور سابقا۔

13۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تنگ بازاری بارک اللہ فی حیاتہ محدث فی احدی المدارس ریفوجی کیمپ بنگلا دیش۔

14۔حضرت مولانا سید حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدیر مدرسہ رشیدیہ، جدہ کلو/ 14۔

15۔حضرت مولانا شبیر احمد صاحب بارک اللہ فی حیاتہ مدرس دارالعلوم میانجانپور سابقا، و محدث فی احدی المدارس ریفوجی کیمپ بنگلا دیش حالیا۔

16۔حضرت مولانا مسلم صاحب مدرس الحدیث فی پاکستان حالیا۔

17۔حضرت مولانا عمر سلیمان صاحب بارک اللہ فی حیاتہ محدث فی احدی المدارس ریفوجی کیمپ بنگلا دیش ومدرس دارالعلوم میانجانپور سابقا۔

اولاد:

حضرت مہتمم صاحب کے سات لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، جن کے قدرے اجمال یہ ہے کہ:

(۱) خاکسار زبیر احمد۔(۱)

(۲) نثار احمد: ولادت کے بعد تقریباً ایک ماہ تک زندہ رہا، اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

(۳) مسٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ: جس کا حضرت کے انتقال کے تین چار سال بعد انتقال ہو گیا، اللہ تعالی جنت الفردوس نصیب فرمائے آمین، اس کا اہل خانہ ریفوجی کیمپ میں موجود ہے۔

(۴) عبداللہ: جو سعودی عرب میں درزی کا کام کرتا ہے، فی الحال مع اہل وعیال وہاں مقیم ہے۔

(۵) مولوی حافظ سلیم اللہ صاحب: جو الجامعۃ العالیۃ الاسلامیۃ شقدارفارہ، منگڈو کے فارغ التحصیل ہیں، انہوں نے فراغت کے بعد دو سال الادارۃ الاسلامیۃ دارالعلوم ریدۃ اور دو سال الجامعۃ الاہلیہ دارالعرفان محی السنہ، اونچی پرانگ، ٹیکناف، بنگلادیش میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں، اس کے بعد مدینہ یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، چھ سال پڑھ کر وہاں سے فراغت حاصل کی، فی الحال مدینہ منورہ میں مع اہل وعیال مقیم ہیں، خوش قسمتی سے مجھے مولوی حافظ سلیم اللہ کی ایک خود نوشتہ تحریر ملی ہے، جس میں اس نے اپنے حالات زندگی پر مختصراً روشنی ڈالی ہے، جو یہاں ملاحظہ ہو:

> ’’میرا نام سلیم اللہ بن الحاج حضرت مولانا سعید عالم بن الحاج مولانا عبد الحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہما، میں نے تقریبا پانچ سال کی عمر میں اپنے آبائی وطن ریدہ، بلی بازار شمالی منگڈو سے ابتدائی دینی وعصری تعلیم کا آغاز کیا، پھر والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

(۱) حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہ صاحب زادۂ گرامی محترم مولانا زبیر احمد صاحب اس بیش قیمت کتاب کے سعادت مند مولف ہیں، جن کے حوالے سے مختصراً اس رسالے کے تقریبا آخر میں ایک تعارف نامہ بعنوان (اس کتاب کے مولف صاحب زادۂ گرامی مولانا زبیر احمد صاحب ایک نظر میں) پیش کیا گیا ہے، قدرے تفصیلات وہیں ملاحظہ ہو (محمد طاہر جمال ندوی)

میانجانپور، بلی بازار کے شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم میں حفظ کا آغاز کیا، اس کے بعد جناب حافظ عظیم علی صاحب مدظلہ العالی (چاکما کاٹا، تمبرو) کے پاس پڑھتا رہا، جہاں سے بحمداللہ تعالی حفظ قرآن مجید مکمل کیا۔

تحفیظ القرآن الکریم سے فراغت کے بعد میں نے جماعت دہم سے جماعت پنجم تک کی تعلیم حضرت العلامۃ الحاج مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ سے جید اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرتے ہوئے مکمل کی، اس کے بعد مدرسہ قاسم العلوم کوانچی بنگ میں تین سال اور نکھورہ کے مدرسہ میں ایک سال پڑھنے کے بعد الجامعۃ العالیہ الاسلامیہ شقدارفارہ، منگڈو میں داخلہ لیا، جہاں سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر درس نظامی کے متداول نصاب کی تکمیل کی۔

۲۰۰۸ء میں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اعلی تعلیم کے حصول کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سعودی عرب میں داخل ہوا، جہاں سے تخصص فی الحدیث والدراسات الاسلامیہ میں بکالوریوں (BA) کرکے الجامعۃ الاسلامیۃ منیسوتا، امریکہ سے اون لین میں ماجستیر کی ڈگری حاصل کی، بعد ازاں مسجد نبوی سے بھی لغۂ عربیہ میں ڈپلومہ حاصل کرنے کی توفیق ہوئی۔ اب ذیل میں چند نامور اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی حاضر خدمت ہیں:

(1) جناب الحاج مولانا مفتی سلطان احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت والد محترم الحاج مولانا سعید عالم رحمۃ اللہ علیہ (۳) حضرت مولانا سید الامین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۴) حضرت مولانا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ (۵) الشیخ عبد المحسن العباد البدر، محدث المسجد النبوی الشریف،

وریئس بالجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ (سابقا) (٦) دکتور احمد بن علی بن عبدالرحمن الحذیفی امام وخطیب المسجد النبوي الشریف (٧) دکتور عبد المحسن بن محمد القاسم امام وخطیب المسجد النبوي الشریف (٨) دکتور انیس طاہر جمال اندونیسی (٩) الشیخ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ دو دوائنگی (١٠) جناب مولانا محمد صالح صاحب کچھری بلی وغیرہم۔

اللہ رب العالمین کے فضل وکرم سے بندہ ناچیز کو مندرجہ ذیل کتابوں میں دکتور عبد المحسن بن محمد القاسم امام وخطیب المسجد النبوی الشریف کی طرف سے اسانید متصلہ سے اجازت عطا ہوئی ہے:

الصحيحين، السنن الأربعة، الموطأ، مسند الإمام أحمد، مسند الإمام الدارمي كتاب العلم للإمام أبي خيثمة، بلوغ المرام من أدلة الأحكام، كتاب التوحيد لعبد الغني المقدسي، كتاب الإيمان لابن أبي شيبة، العمدة في الأحكام، خلق أفعال العباد وبر الوالدين للإمام البخاري۔

تدریسی خدمات:

(١) الادارۃ الاسلامیۃ دارالعلوم ریدہ، بلی بازار، منگڈو میں دوسال۔

(٢) الجامعۃ الاھلیۃ دارالعرفان محی السنۃ اونچی پرانگ، ٹیکناف، بنگلا دیش میں دوسال۔

حجاج کرام اور معتمرین کو دعوت دینے کے میدان میں خدمات:

(١) مسجد قباء، مسجد ذو الخلیفہ، مقبرہ بقیع: الرئاسۃ العامۃ لھیئۃ امربا المعروف والنہی عن المنکر بالسعودیۃ۔

(٢) المکتب التعاونی للدعوۃ والارشاد بالمدینۃ المنورۃ"۔

حافظ سلیم اللہ صاحب کی تعلیمی قابلیت ایک نظر میں

تعلیمی درجہ	قسم	تعلیمی ادارہ
دورۂ حدیث شریف	عام	جامعۃ اسلامیۃ شقدارفارہ، منگڈو
ماجستیر	التاریخ والحضارۃ الاسلامیۃ	الجامعۃ الاسلامیۃ منیسوتا، امریکہ، اون لین
بکالوریوس	الحدیث والدراسات الاسلامیۃ	الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ
الدبلوم العالی	اللغۃ العربیۃ	کلیۃ المسجد النبوی الشریف
الثانویۃ العامۃ	عام	معھد الثانویۃ، بالجامعۃ الاسلامیۃ، مدینہ

(٦) مولوی حافظ رشید اللہ صاحب: جو الجامعۃ العالیۃ الاسلامیۃ شقدار فارہ، منگڈو کے فارغ التحصیل ہیں، ابھی بنگلا دیش میں تدریسی خدمات میں مصروف اور مع اہل وعیال وہاں موجود ہیں۔

(٧) حافظ ارشد اللہ صاحب: جو بنگلا دیش میں مع اہل وعیال موجود ہیں۔

(٨) انورہ بیگم: جو ریفوجی کیمپ بنگلا دیش میں مع اہل وعیال موجود ہے۔

(٩) شفیقہ: جو ریفوجی کیمپ بنگلا دیش میں مع اہل وعیال موجود ہے۔

(١٠) طیبہ: جو بنگلا دیش میں مع اہل وعیال موجود ہے۔

(١١) الصارہ: جس کا حضرت کی حیات میں قبل شادی انتقال ہوگیا، خدا جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

(١٢) فارسہ: جو متحدہ عرب امارات کے شہر دبی میں مع اہل وعیال مقیم ہے۔

اللہ تعالی حضرت مولانا کی ساری اولاد و احفاد کو خوشحال اور سلامت سے رکھے، اور فلاح دارین نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

وکتبہ/

ابو مرغوب زبیر احمد بن مولانا سعید عالم ریدوی ارکانی

8/1/1445ھ یوم الاربعاء/26/7/2023ء

مناجات بجناب مجیب الدعوات

والد گرامی حضرت مولانا سعید عالم صاحبؒ درج ذیل مناجات کے علاوہ چند ابیات ہمیشہ گنگنا یا کرتے تھے، ممکنہ قریب گئے کان لگا کر سننے سے یہ اشعار آپ کی زبان سے خوبصورت اور دلکش آواز میں بہت خوب لگتے تھے، جو حاضرِ خدمت ہیں:

بتا مجھ کو تری راہ کس طرف ہے		تیرے راہ پر چلا مجھ کو خدایا
بزرگی کی نہیں کوئی ضرورت		غلام اپنا بنا مجھ کو خدایا
بزرگی نفس کی خواہش ہے افسوس		تکبر سے بچا مجھ کو خدایا
جسے چاہے دے تو دنیا کی دولت		مجھے مست ِ عبادت کر خدایا
جسے چاہے دے تو دنیا کی حشمت		مجھے مستِ اطاعت کر خدایا
جسے چاہے دے تو دنیا کی رونق		مجھے مست ِ ہدایت کر خدایا
جسے چاہے دے تو دنیا کی رفعت		مجھے مست ِ محبت کر خدایا

هذا وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آل

ابیاتِ متفرقہ:

مزا توحید کا مجھ کو چکا دے		ترے اغیار کو دل سے مٹا دے
ہم گناہ گار اور تو غفار ہے		ہم بھرے عیبوں سے تو ستار ہے
ہر گھڑی دینے کو تو تیار ہے		جو نہ مانگے اس سے تو بیزار ہے
اے ہمارے پالنے والا خدا		خوبیٔ دارین کر ہم کو عطا
اللہ اللہ کیا مبارک نام ہے		اللہ اللہ عاشقوں کا کام ہے
اے خدا اے پاک رحمن و رحیم		قاضی حاجات و وهاب و کریم
کس چیز کی کمی ہے مولی تیری گلی میں		دنیا تیری گلی میں عقبی تیری گلی میں
موت کومت دور سمجھو موت ہے ہردم قریب		آتے جاتے ہیں فرشتہ آپ بلانے کے لئے
جس گھڑی نکلے بدن سے میری جان		کلمۂ توحید ہو ورد زبان
بوقت نزع ہو کلمہ زبان پر		اٹھوں نیکوں میں شامل روزِ محشر
جس کے دل میں عشق حق حاصل نہیں		لاکھ مومن ہو مگر ایمان میں کامل نہیں

والد گرامی حضرت مولانا سعید عالم صاحب کی خودنوشتہ تحریر کا

پہلا نمونہ:

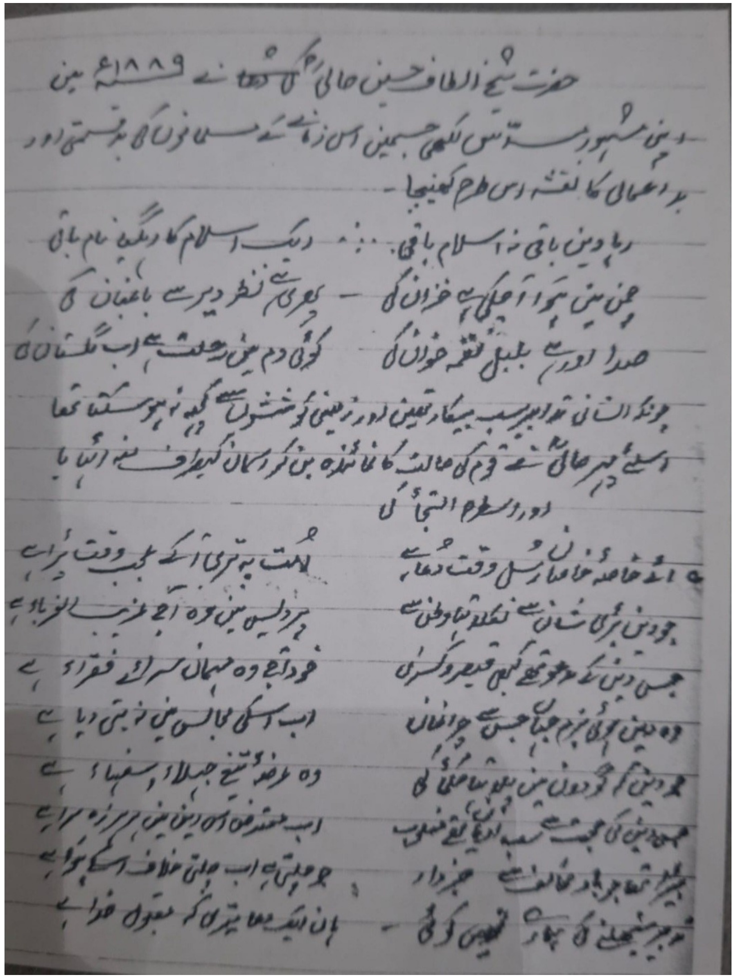

حضرت شیخ الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۸۹ء میں
ایک مشہور مسدس لکھی جس میں اس زمانے کے مسلمانوں کی بدقسمتی اور
بد اعمالی کا نقشہ اس طرح کھینچا۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی ۔ اک اسلام کا رہ گیا نام باقی
چمن میں ہوا آچکی ہے خزاں کی ۔ پھری ہے نظر دیر سے باغباں کی
صدا اور ہے بلبل نغمہ خواں کی ۔ کوئی دم میں رخصت ہے اب گلستاں کی

چونکہ ان کی تدابیر بسبب بیکار تھیں اور زمینی کوششوں سے کچھ نہ ہوسکتا تھا
اسلئے پھر حالی نے قوم کی حالت کا نقشہ بن کر آسمان کی طرف منہ اٹھایا
اور یوں التجا کی

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے ۔ امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے ۔ پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ ۔ خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں ۔ اب اسکی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کی ۔ وہ عرصۂ تیغ جہلا و سفہا ہے
جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب ۔ اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے
بیڑا تھا نہ جو باد مخالف سے خبردار ۔ جو چلتی ہے اب چلتی خلاف اسکے ہوا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی ۔ ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

والد گرامی حضرت مولانا سعید عالم صاحب کی خودنوشتہ تحریر کا

دوسرا نمونہ

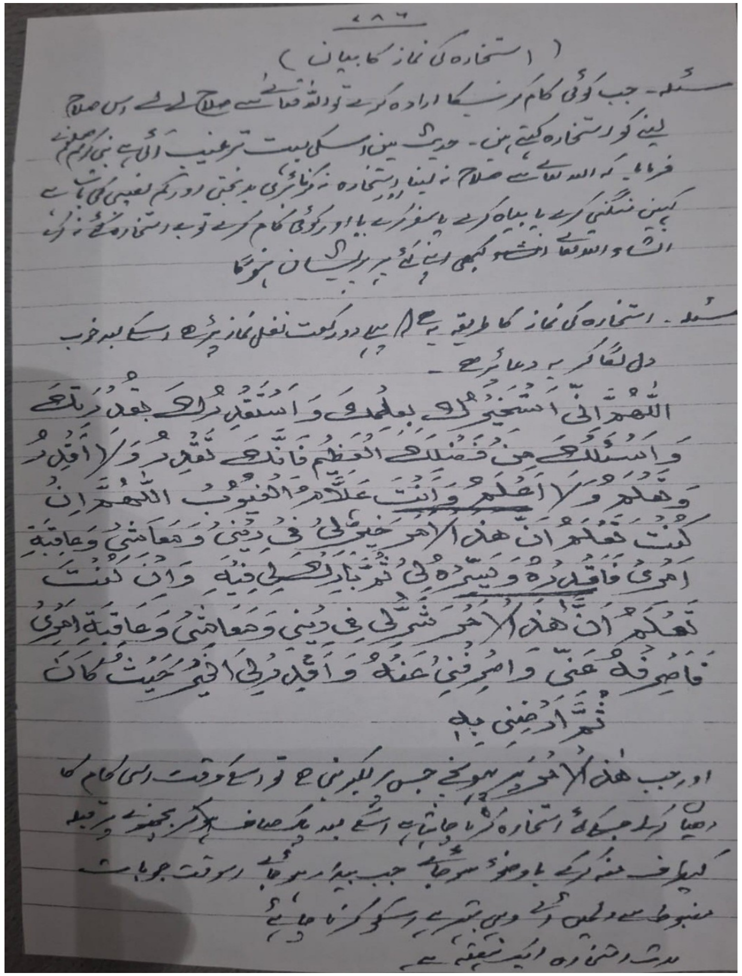

۲۸۶

(استخارہ کی نماز کا بیان)

مسئلہ۔ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے صلاح لے لے اس صلاح
لینے کو استخارہ کہتے ہیں۔ حدیث میں اسکی بہت ترغیب آئی ہے نبی کریم صلعم نے
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے صلاح نہ لینا اور استخارہ نہ کرنا بڑی بدبختی اور کم نصیبی کی بات ہے
کہیں منگنی کرے یا بیاہ کرے یا سفر کرے یا اور کوئی کام کرے تو بے استخارہ کئے نہ کرے
ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمان نہ ہوگا

مسئلہ۔ استخارہ کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھے اسکے بعد خوب
دل لگا کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ
وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ
وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ
كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ
اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ
تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ
فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ
ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ

اور جب ھذا الامر پر پہونچے جس پر لکیر بنی ہے تو اسوقت اس کام کا
دھیان کرلے جسکے لئے استخارہ کرنا چاہتا ہے اسکے بعد پاک صاف بچھونے پر قبلہ
کی طرف منہ کرکے باوضو سو جائے جب سو کر اٹھے اسوقت جو بات
مضبوطی سے دل میں آئے وہی بہتر ہے اسکو کرنا چاہئے
[illegible]

مختصر وصیتِ والد گرامی

حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدویؒ

(۱) وصیت بمتعلق تجہیز وتکفین: حتی المقدور کوشش کی جائے کہ میری نماز جنازہ دارالسنہ نہلا کے صحن پر پڑھی جائے، نیز میرا مدفن بھی وہیں حضرت مولانا قاری بدرالاسلام صاحب مرحوم کے قرب وجوار میں ہو پانے کی کوشش کی جائے، بشرطیکہ کوئی رکاوٹ واعتراض نہ ہو۔

(۲) تمہاری والدہ بہت ضعیف ہو چکی ہیں، ایسی ضعیف العمری میں تمہاری والدہ کی خدمت کرتے رہنا اور کبھی بھی نافرمانی نہیں کرنا، اور سخت کلامی سے دل شکنی کا ہرگز موقع ہونے نہ دینا، بلکہ ہمیشہ انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہنا، انشاء اللہ تمہارے ویسے رویے سے تمہارے اوپر اللہ تعالی کی رحمت شامل حال رہے گی۔

(۳) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ((من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا)) پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا، بڑوں کے لئے ضروری ہے کہ ہر وقت صبر واستقلال کے ساتھ چھوٹوں پر شفقت کی نظر سے دیکھے، تاکہ ان کے دل میں یہ خیال ہرگز نہ آنے پائے کہ والد صاحب کی غیر موجودگی میں ہمیں ستایا جا رہا ہے، اور چھوٹوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہر وقت بڑوں کی عزت واحترام کا خیال ہو۔

(۴) حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ((صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن من اساء الیک)) پر ضرور عمل کرتے رہنا، صلہ رحمی کی بڑی اہمیت ہے، جو کہ میری عادت بھی ہے۔

(۵) عام لوگوں کے ساتھ معاملہ ((تعاشروا کالاقارب وتعاملوا کالا جانب)) پر عمل کرتے رہنا، اور ہمیشہ جھگڑا فساد سے بہت دور رہنا، نیز دوسروں کے جھگڑے فساد

میں ہرگز دخل اندازی نہ کرنا۔

(۶) ہمیشہ اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمان برداری میں لگے رہنا، نافرمانی ہرگز نہ کرنا، نماز با جماعت کی پابندی کرنا، کبھی نماز میں تکبیر اولی ہرگز فوت نہ ہونے پائے، حتی المقدور نوافل کا بھی اہتمام کرتے رہنا۔

(۷) تم اپنے والد مرحوم کے لئے ہمیشہ ہمیشہ دعاء اور ایصال کی کوشش کرنا، اور یہ بات ہمیشہ خیال رہے کہ تمہارے کسی اعمال کے ذریعے تمہارے والد مرحوم داغدار نہ ہو پائے۔ بس اللہ حافظ۔(۱)

---

(۱) یہ وصیتیں حضرت والد صاحب کی زندگی کے بالکل آخری مرحلے میں اپنی اولاد کے لئے بہت ہی مختصر سے وقت میں کی گئی تھیں، جن پر عمل درآمد ان کی وفات کے بعد ہونا تھا، اس لئے معذرت کے ساتھ یہاں بہت اختصار کے ساتھ حاضر خدمت ہو پائی ہیں۔

تاثرات

(۱)

عالم اسلام کی دو عظیم شخصیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد:

استاد محترم حضرت العلامہ جناب مولانا مفتی سلطان احمد صاحبؒ کا وطن مالوف اور پیدائشی مقام ریدہ، بلی بازار، منگڈو، ارکان، میانمار ہے، ریدہ بستی میں آپ کے آبا و اجداد کا خاندان بہت معزز تھا، آپ کے والد ماجد جناب امین شریف صاحب بڑے مستودہ صفات ،صاحب منصب اور صاحب جائداد رئیس تھے، مفتی صاحب نے بچپن وطن ہی میں گذارا اور وہیں ناظرہ قرآن مجید، عربی نحو وصرف، اردو، فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر علوم دینیہ کی تکمیل کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے۔

اللہ تعالی کا فضل عظیم تھا کہ حضرت کو وہاں دارالعلوم دیوبند جیسے شہرۂ آفاق جامعہ میں تحصیل علوم و فنون پر تکمیل کی توفیق ہوئی، جہاں آپ کو اس وقت کے بڑے اور یگانۂ عصر اصحاب کمالات اہل اللہ واساتذۂ کرام کی صحبتیں نصیب ہوئیں، جن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) شیخ الاسلام حضرت العلامۃ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ۔

(۲) حضرت العلامۃ مولانا شبیر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) حضرت العلامۃ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) شیخ المعقولات حضرت العلامۃ مولانا ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) شیخ الادب حضرت العلامۃ مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ۔

جن کے فیوضات و برکات علمی و ایمانی کا آج بھی اطراف عالم میں چرچا ہے، ایسے علمی و نورانی ماحول میں ان حضرات کے فیضان صحبت سے بعون اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری و باطنی صلاحیت واستعداد میں نکھار آیا، یوں آپ ان تمام بزرگ اساتذۂ کرام کی علمی وعملی صحبت سے سیراب ہوئے، اور آپ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ علوم وفنون سے دس سالہ مدت کی تکمیل کے بعد وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائے۔

آپ وطن واپس آئے تو دارالعلوم احمدیہ سعداللہ سر کے بانی حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروف بہ فقیر مولوی صاحبؒ کی نظر آپ پر پڑی تو آپ کو درس وتدریس کے لئے وہیں اپنے پاس بلالیا، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے کئی سال تک دارالعلوم احمدیہ میں تعلیمی خدمات پورے انہماک کے ساتھ انجام دیں۔

حضرت مفتی صاحب کو دارالعلوم دیوبند کے تقریبا تمام بزرگوں واساتذہ کرام کی نیک توجہات حاصل تھیں، ویسے آپ اپنے اساتذۂ کرام اور مربیان عظام کی طرح ملک برما و ارکان میں احیائے دین اور تبلیغ اسلام کے کاموں کے لئے نہایت مضطرب تھے، اور وہاں مسلمانوں کے مابین پائے جانے والے کفر وشرک، رسومات باطلہ، بدعت وخرافات اور لہو لعب کے انسداد کے لئے کوشاں تھے، اور دین اسلام و ایمان اور مسلمانوں کی بقاء و از دھار کے لئے نہایت فعال تھے۔

دارالعلوم احمدیہ میں درس وتدریس کے دوران آپ نے کوشش شروع کی کہ ان کے اپنے علاقے میں کسی طرح دارالعلوم دیوبند کے نظم ونسق پر مشتمل اور اس مادر علمی کے طرز پر ایک دینی وتعلیمی ادارہ قائم کیا جائے، چنانچہ مدت دراز کی سوچ بچار کے بعد اللہ تعالی کی تائید و توفیق شامل حال ہوئی کہ آپ نے درج ذیل حضرت کی تائید وتعاون سے میانجا نپور بلی

بازار کی سرزمین میں ایک دینی وتعلیمی ادارہ کی بنیاد رکھی:

(۱) حضرت مولانا سمیع الدین صاحب۔

(۲) حضرت مولانا میر احمد مبارک، معروف بہ ناظم صاحب۔

(۳) حضرت قاری مولانا عبدالودود صاحب۔

(۴) مولانا حسن صاحب۔

ان حضرات نے باہمی مشورہ کر کے حضرت مولانا سلطان احمد صاحب کو اس ادارہ کے ذمے دار اعلی مقرر فرمایا، حضرت نے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر سنت نبویہ اور اشاعت دین اسلام کو اس ادارے کا نصب العین قرار دے کر تعلیمی وتربیتی سفر کا آغاز کر دیا، جہاں ابتدائی سے لے کر الحمدللہ تعالی دورۂ حدیث شریف تک کے مختلف علوم وفنون کی تعلیم ہوتی رہی، چنانچہ چند سال میں دیکھتے ہی دیکھتے یہ مدرسہ ارکان کا ام المدارس قرار پایا تھا۔

یہ ایک سورج کی طرح عیاں حقیقت ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیار ارکان و برما میں اپنے وقت کے شیخ المشائخ، مفتی فقید الزمان، شیخ الفنون العلمیہ، مفسر القرآن مجید اور شیخ الحدیث رہ چکے تھے، ماشاء اللہ تعالی حضرت کے مرض الوفات تک آپ کی تعلیم وتربیت اور درس وتدریس سے ہزاروں طالبان حق نے مستفید ہو کر اطراف عالم میں عموما اور برما و ارکان کے خطے میں خصوصا پھیل کے مدارس اسلامیہ، حفظ خانے، مکاتب دینیہ اور دینی و تبلیغی مراکز قائم کرتے رہے تھے، ان میں سے بہتوں نے درس وتدریس، احیائے دین اور اشاعت اسلام، امر بالمعروف نہی عن المنکر کی خدمات انجام دیں، علاوہ ازیں بہت سارے دینی وعلمی ادارے حضرت مولانا کے اشراف میں قائم ہوئے تھے۔

حضرت استاد محترم مولانا مفتی سلطان احمد صاحبؒ اخلاص وللّٰہیت اور صدق وصفا کے حوالے سے ایک مایۂ ناز ہستیوں میں سے تھے، سیاست، شجاعت، حق گوئی وثابت قدمی کے حوالے

سے آپ ممتاز تھے، ثابت قدم اور مستقل مزاجی کے ساتھ دشمنان اسلام کے خلاف شریعت اسلامیہ کے متبع ہو کر احقاق حق اور ابطال باطل آپ کی فطرت تھی، اور احکام شرع کو اصول و فروع سے ثابت کرنے میں آپ یکتائے روزگار تھے، اس حوالے سے بلاشبہ آپ کو ایک مجاہد فی سبیل اللہ کہا جا سکتا ہے۔

علاوہ حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب کے حضرت العلامہ جناب مولانا الحاج سعید عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ احقر کے استاد خاص تھے، اور ان کے ساتھ ہماری رشتہ داری کی نسبت بھی قائم تھی، آپ کی پیدائش بمقام شمالی منگڈ وعلاقہ بلی بازار قصبہ ریدہ میں ہوئی، آپ کے آباء واجداد وہاں کے معزز وممتاز خاندانوں میں سے تھے، اور آپ کے والد ماجد جناب الحاج مولانا عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے علوم عربی وفارسی اور اردو کے مستند عالم ہونے کے ساتھ بہت بڑے اور عالی مقام کے حامل بزرگ تھے۔

حضرت مولانا سعید عالم صاحب نے وطن مالوف ہی میں اپنے والد بزرگ کی شفقت پدری کے آغوش میں رہ کر عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم پائی، بعد ازاں حضرت موصوف کو اعلی دینی علم کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا تو حضرت العلامہ مولانا مفتی سلطان احمد صاحب کی خدمات میں حاضر ہو کر دارالعلوم میانجانپور میں داخلہ لینے کی توفیق ہوئی، یوں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دارالعلوم کے اکابر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، یوں عرصۂ دراز تک آپ اس درسگاہ میں علم نحو وصرف اور علم وفقہ واصول فقہ اور علم منطق وبلاغت کے ساتھ مختلف علوم وفنون کے درس سے سیرابی حاصل کرتے رہے۔

اس کے بعد حضرت موصوف نے علوم دینیہ کی تکمیل کے لئے بیرونی ملک کا سفر کیا، ویسے بنگلا دیش کا سفر اختیار کر کے وہاں کے مشہور ومعروف اسلامی درس گاہ جامعہ اسلامیہ ضمیریہ پٹیہ میں داخلہ لیا، جہاں اس وقت کے جامع الکمالات والصفات اہل اللہ شیخ طریقت حضرت

العلامہ مولانا مفتی عزیز الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مؤسس جامعہ اسلامیہ ضمیریہ پٹیہ) اور حضرت العلام شیخ طریقت مولانا احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت العلامہ خطیب اعظم مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت العلامہ مولانا امیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت العلام مولانا علی احمد بوعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت العلامہ مولانا مفتی ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت العلامہ مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر استادوں کی نظر شفقت کے سامنے عرصۂ دراز تک رہ کر علم حدیث شریف وعلوم القرآن وتفسیر القرآن المجید و دیگر علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرتے رہے، یوں بعون اللہ تعالی حضرت مولانا م سعید عالم صاحب کی ظاہری وباطنی صلاحیت واستعداد بھی کامل ہوتے رہی، آخرالامر جامعہ اسلامیہ ضمیریہ کے چشمۂ علوم وفنون سے فراغت کے بعد آپ نے استادوں کی توجہات خصوصی لے کر ملک ارکان کی طرف مراجعت کی۔

حضرت استاد محترم مولانا سعید عالم صاحب ریدوی رحمۃ اللہ علیہ وطن پہنچے تو ان کے محسن استاد حضرت مفتی سلطان احمد صاحب مرحوم ومغفور نے اپنے بنا کردہ دارالعلوم میانجانپور کی خدمات پر شاگرد رشید کو تقرر کرلیا، اس کے بعد حضرت موصوف درس وتدریس ودیگر دارالعلوم کی داخلی وخارجی خدمات انجام دیتے رہے، یاد رہے کہ حضرت مولانا سعید عالم صاحب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اخص الخاص شاگرد رشید ہونے کے ساتھ آپ کے خادم خاص بھی تھے، جو شبانہ روز آپ کی خدمات میں رہتے تھے۔

جبھی حضرت العلامہ جناب مولانا قاری عبدالودد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلومیانجانپور کو ضعف اور بڑھاپے غالب ہوگئے تو مجلس شوری نے حضرت مولانا سعید عالم صاحب کو مہتمم مقرر کیا، ماشاءاللہ تعالی عہدۂ اہتمامی کو بحسن خوبی سنبھالنے کے ساتھ ساتھ آپ پورے اخلاص و للّٰہیت اور پورے صدق وصفا کے ساتھ درسی خدمات کی ذمے داریاں بھی مدت مدید تک انجام

دیتے رہے تھے۔

حضرت مہتمم مولانا سعید عالم صاحب اپنے عصر کی مقبول ہستیوں میں سے تھے اور ساری عمر اشاعت دین اور اصلاح قوم کے لئے وقف تھے، اور جگہ جگہ تبلیغ وارشاد، اور اپنے حسن بیان اور مواعظۂ حسنہ کے ذریعے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے تھے۔

حضرت العلامہ جناب مولانا مفتی سلطان احمد صاحب مرحوم دارالعلوم دیوبند کے نظم ونسق اور احقاق حق پر مستقل مزاجی کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے ایک عظیم ہستی اور بلند وبالا شخصیت کے مالک بزرگ تھے، جب سے بعض شر پسند استادوں نے اطراف کے کچھ ان کے ہم خیال لوگوں کی شمولیت میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور دارالعلوم میانجانپور کے دستور اساسی کے خلاف دارالعلوم کے اندر اپنے ناروا اقدامات کے ذریعے نام نہاد عوامی تسلط قائم کیا تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کبرسنی اور ضعف جسمانی کے عالم میں اپنے بنا کردہ درس گاہ سے علیحدگی اختیار کی، اور اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا سعید عالم صاحب (مہتمم دارالعلوم میاجانپور) اور چند اساتذہ کرام کو ساتھ لے کر اپنے آبائی قصبہ ریدہ کی جامع مسجد میں درس وتدریس کا مشغلہ شروع کر دیا، یوں بہت ہی کم مدت میں حضرت مولانا سعید عالم صاحب کے زیر اہتمام ایک مستقل تعلیمی ادارہ قائم ہوگیا، جس کا نام ''الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ'' رکھا گیا تھا، اور حضرت مولانا کی سعی کامل سے یہ ادارہ ابتدائی تعلیم سے لے کر درجۂ ثانویہ تک مع حفظ کلام اللہ اور شعبہ قرات وتجوید کے تعلیم وتربیت بحسن انتظام ہورہی تھی، آئے دن یہ ادارہ ترقی کی طرف گام زن تھا، اور بعد میں کافی ترقی پذیر ہوگیا تھا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت مہتمم صاحب نے ملکی عوارض اور مختلف مظالم کی وجہ سے اپنے آبائی وطن مالوف اور اپنے بناء کردہ ''الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ'' سے رخصت ہوکر قریبی ملک

بنگلا دیش میں پناہ لی، کئی سال بعد کچھ لوگوں پر ذات باری تعالی کی توفیق ہوئی کہ ٹیکناف تھانہ علاقۂ رنگیہ خالی کے کچھ مربیان کرام نے اپنے زیر سائے آپ کو ایک چھوٹا سا مکان تعمیر کر دیا، جہاں آپ مع اپنے اہل وعیال قانونی طور پر مقیم ہو گئے تھے۔

چونکہ حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جامعہ اسلامیہ دار السنۃ نہلا کے اکابروں کے ساتھ زمانۂ سابق سے خصوصی تعلقات تھے، لہذا ادارالسنہ کے ارباب بست وکشاد نے آپ کو وہاں کی تعلیم وتربیت اور دیگر خدمات کے لئے مقرر کر لیا تھا، ماشاء اللہ تعالی حضرت موصوف اسی درس گاہ میں نہایت اطمینان کے ساتھ درس وتدریس کے ساتھ اپنے تزکیہ نفس کا کام کیا، علاوہ ازیں دیگر خدمات دینیہ میں یکسو ہو گئے تھے، آپ کی یہی حالت زندگی کے آخری ایام تک مسلسل قائم تھی۔

بعد آزاں موت تو آنے والی شئ ہے کہ حضرت العلامہ جناب مولانا سعید عالم صاحب علالت میں مبتلا ہو گئے، اور مورخہ ۲۱ / رمضان المبارک/ ۱۴۳۶ھ بمطابق ۹ / جولائی/ ۲۰۱۵ء بروز جمعرات آپ نے اس دار فانی کو الوداع کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے اس مقبول بندے کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائیں آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

لیکن میرے لئے خوشی کی بات یہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معزز فرزند ارجمند مولانا زبیر احمد صاحب اپنے والد ماجد اور حضرت العلامہ جناب مولانا مفتی سلطان احمد صاحبؒ کے انتقال کے بعد ان دونوں ہستیوں کے حالات زندگی سے لوگوں کو مستفید کرنے کے لئے سوانح حیات نہایت صعوبت سے تالیف کی ہے، اور قابل قدر فرزند رشید عزیزم حافظ مولانا سلیم اللہ سلمہ تعالی (جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فارغ التحصیل ایک مستعد عالم دین ہیں) نے بھی سوانح کی ترتیب وتالیف میں اپنے بڑے بھائی کی ہمت

افزائی کی اور ان کے ساتھ ضروری تعاون کیا ہے، اللہ تعالی اس گرانقدر سوانح کو امت کے حق میں عبرت کا سامان بنائیں اور مؤلف اور معاون سلمہم اللہ تعالی کو مزید توفیق کے ساتھ دنیا و آخرت میں اپنے فضل وکرم سے سرخرو فرمائیں، آمین۔

اللہ رب العزت کا لانہایہ شکر وحمد ہے کہ عزیز محترم بھانجہ جناب الحاج مولانا زبیر احمد صاحب نے حضرت العلامہ جناب مولانا سلطان احمد صاحبؒ اور مولانا زبیر احمد صاحب کے عظیم والد محترم حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدویؒ کے حالات و واقعات پر مشتمل نہایت جانفشانی سے ایک کتابچہ لکھ کر بندۂ ناچیز کے یہاں ارسال کیا ہے (یہاں یاد رہے کہ مولف عزیز ان دونوں ہمارے بزرگ ترین مشائخ کے براہِ راست شاگرد رشید، معتمد اور خادم خاص بھی ہیں) جسے احقر نے حرفا حرفا مطالعہ کیا، جہاں تک دیکھا اور پایا کہ یہ کتابچہ اپنے موضوع کے حوالے سے نہایت جامع ومانع ہے، علاوہ ازیں نہایت مسرت کی بات ہے کہ عزیز محترم بھائی مولانا رحمت کریم صاحب سلمہ تعالی نے (صاحب زادہ حضرت مفتی سلطان احمد صاحب (حالیہ مہتمم ادارۃ الاسلامیہ دار العلوم ریدہ کے) نے اس سوانح عمری کو لکھنے کے حوالے سے عزیز مولف کا بھر پور ساتھ دیا ہے، اللہ تعالی ان دونوں کو جزائے خیر کے ساتھ مزید توفیق وعنایات سے نوازیں آمین۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی اپنے ان نیک اور مقبول بندوں کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا کریں اور ان کے درجات کو بلند فرمائیں آمین بحق سید المرسلین ورحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

احقر صدیق احمد غفرلہ

مہتمم، شیخ الحدیث ومفتی جامعہ دار العلوم احمدیہ سعد اللہ سر

رمضان المبارک/ ۱۴۴۷ھ

تاثرات

(۲)

سرزمین ارکان کے دو روشن ستارے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مفتی اعظم مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی نور اللہ مرقدہ ارکان کی مایۂ ناز ہستیوں میں سے ایک تھے، آپ دارالعلوم دیو بند سے فارغ التحصیل ہو کر یوں ہی نہیں آئے بلکہ دارالعلوم دیو بند کو کوزے میں بھر کر لائے تھے، اور صرف یہی نہیں بلکہ اسے دارالعلوم میانجاپور کی شکل میں قوم کے سامنے پیش کرنے میں بھی کامران تھے، آپ کی انتظامی صلاحیت نے دارالعلوم میانجاپور کو بہت ہی کم مدت میں شہرۂ آفاق کر دیا تھا، اسی مدرسہ سے نکلے ہوئے فضلائے کرام نے خطۂ ارکان میں علوم دینیہ کے بہت سارے مراکز کھولے، جن سے مستفید ہو کر قوم وملت کے بہت سارے خدام پیدا ہوئے، اور انہوں نے بھی اپنے لائق اساتذہ کی طرح ملت وقوم کی خدمات میں سر دھڑ کی بازیاں لگائیں اور اپنی اپنی زندگیوں کو ملت وقوم کی راہوں میں وقف کیا تھا۔

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی نے تعلیم کو جامع بنانے اور مراحل تعلیم کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے ارکان کے چنیدہ علمائے کرام و معلمین عظام کو دارالعلوم میانجاپور میں جمع کیا، جن میں حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب گرھا خالوی قابلِ ذکر اور ناقابل فراموش ہیں، اور یہاں تزکیہ واحسان کے فروغ وترویج کے لئے حضرت مولانا عبداللطف صاحب کھر بیلوی کو مقرر کیا تھا۔

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ؒ دستور اساسی دیو بند کے مطابق اپنے مدرسہ کو چلاتے تھے، آپ ہمیشہ اصول ہشت گانہ کا تذکرہ کرتے تھے، مجلس شوری میں ایک ایک قانون کو پاس کرنے اور ایک ایک دفعہ پر نہایت سنجیدگی سے بحث ونقاش کرنے میں دو ڈھائی دن تک گزار دیتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی تدریسی مہارت بھی اوروں سے جداگانہ تھی، آپ کی شرح ملا جامی کی تدریس بہت مشہور تھی، ایک ایک عبارت میں کتنے اعتراضات ہوتے اور ہر ایک میں کتنے جوابات ہوتے ہیں ملخص کر کے طلباء کو ذہن نشین کرا دیتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب فتوی نویسی میں بھی یکتائے روزگار عالم دین اور فقیہ النفس بزرگ تھے، آپ بڑی مہارت کے ساتھ سوچ سمجھ کر اور تفکر وتدبر کے ساتھ سوالوں کے جوابات لکھ دیتے تھے، کبھی کبھار فی الفور جواب دیتے تو بعد میں اساتذۂ کرام آپ کے ان جوابوں کے دلائل کتابوں سے تلاش کرتے تو صحیح پاتے تھے، غرض ہمارے علاقے میں نام لئے بغیر محض مفتی صاحب کہنے سے وہی فرد کامل حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ہی مراد ہوتے تھے۔

حضرت مولانا اپنے زمانے میں استقامت کے کوہِ گراں تھے، آپ کی استقامت علی الحق نہایت مشہور ہے، آپ ہر حال میں حق بات کہتے تھے، ظالموں کے سامنے حق بات کو چھپاتے نہیں تھے، اس حوالے سے سب سے بڑی بات یہی ہے کہ اپنی زبان سے نکلی ہوئی حق بات پر ڈھٹ جاتے اور اس سے رجوع نہیں کرتے تھے، صرف عزت تو کیا بلکہ جان جائے تو جائے مگر آپ راہِ حق کو کبھی چھوڑنے والے نہیں تھے، آپ کلمۃ حق عند سلطان جائر کے ذریعے حقیقی معنی میں مجاہد اسلام ثابت ہوئے، آپ دارالعلوم میانجاپور کے شیخ بھی تھے اور دارالعلوم کے اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہ کر بیک وقت اہتمام اور انتظامی امور کے سرپرست اعلی تھے۔

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب زہد وتقوی کے حوالے سے بھی اپنے زمانے میں یکتائے روزگار بزرگ تھے، اسی طرح آپ ایک مردِ مجاہد بھی تھے، چنانچہ ایک زمانے میں ارکان کے مجاہدین نے آپ کو امیر جماعت/تنظیم بنانے کے لئے بہت اصرار کیا تھا، لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ نے ان کی اس پیش کش کو مسترد کر دیا تھا۔

حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب کے شاگرد رشید اور زندگی بھر کے ساتھی حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی، بلی بازاری کا جہاں تک تعلق ہے کہ آپ اپنے زمانے میں نہایت شریف ونجیب عالم دین اور داعی و مصلح بزرگ تھے، اور ساتھ ہی ساتھ ہر دل عزیز اور سادہ لوح اور خوش الحان خطیب بھی تھے، آپ مروجہ تصنع وسنگار سے وعظ نہیں کرتے تھے، کبھی کبھار خیر الکلام ما قل ودل سے کام لیا کرتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک جلسہ میں آپ نے دارالعلوم میانجانپور کے متعلق خطاب کیا، جس میں علماء کی عظمت کے متعلق بیان کے دوران فرمایا کہ:

ان الملوک لتحکمون علی الوری

وعلی الملوک لتحکم العلماء

آپ چھوٹوں پر رحم کرنے اور بڑوں کی تعظیم کرنے کے حوالے سے ایک حسین وجمیل پیکر تھے، ملک اور بیرون ملک میں آپ اپنے افسردہ دل وخاطر سے وعظ ونصیحت کرتے تھے، مولانا رومی کے اشعار کو خاصے ترنم اور بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے، جو سامعین کے دل میں اتر کر آنکھوں میں آنسو بھر لاتے تھے، مولانا سعید عالم صاحب حضرت مفتی اعظم ارکان مولانا سلطان احمد نور اللہ مرقدہ کے قرۃ العین رہے، ان کے سفر وحضر کے خادم رہے، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا سعید عالم صاحب سے فخر کرتے تھے، ایک دفعہ دارالعلوم میانجانپور کے جلسۂ عام میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب کیا، جس میں ایک موقع پر

فخریہ انداز میں فرمایا کہ:

’’دارالعلوم میانجانپور نے مولانا سعید عالم (ریدوی) سلمہ جیسی شخصیت کو بنا سنوار کے قوم کو ہدیہ دیا تو کیا حق ادا نہیں کیا؟‘‘۔

حضرت مفتی اعظم مولانا سلطان احمد صاحب اور حضرت مہتمم مولانا سعید عالم صاحب کے میرے متعلق ایک واقعہ نے میرے بچپن کی حسن صورت کا آئینہ سامنے لایا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب ایک دفعہ اپنے بھائی کی شادی کے لئے ایک لڑکی دیکھنے گئے تھے، دیکھ کر آئے تو مفتی صاحب نے فرمایا کیا لڑکی خوبصورت ہے؟ مہتمم صاحب نے فرمایا بہت خوب صورت ہے، تو مفتی صاحب نے راقم کو بلوایا، اور حضرت مفتی صاحب نے مہتمم صاحب کو فرمایا کیا لڑکی اس کی طرح خوب صورت ہوگی؟ فرمایا ہاں! تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ تو پھر ٹھیک ہے۔

حضرت مولانا سعید عالم صاحب کی طبیعت میں مزاح بھی تھا، مجھ سے ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ:

’’لوگ تم کو جوان سعید عالم اور مجھ کو بوڑھا سعید عالم کہتے ہیں، اب تم بھی بوڑھے ہوگئے ہو اور میری بھی داڑھیاں سفید ہوچکی ہیں، اب لوگ کیا کہیں گے؟ تو میں نے جواب میں کہا کہ اب لوگ مجھ کو بوڑھا سعید عالم اور آپ کو زونا (نہایت سن رسیدہ) سعید عالم کے نام سے یاد کریں گے، میری اس حاضر جوابی سے آپ ہنس پڑے تھے‘‘۔

ظاہر ہے کہ لوگ راقم کو بھی خطیب کہتے ہیں، لیکن سچ تو یہی ہے کہ خطابت کے میدان میں میری آمد اور قدم جمی حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی کی دلی توجہ اور دعاؤں کا ثمرہ ہے، ایک دفعہ حضرت نے سعودی عرب میں مجھ سے فرمایا کہ:

’’سعید عالم! اب میں نہایت کمزور اور کافی بیمار ہو چکا ہوں، پند ونصیحت اور وعظ وتلقین مجھ سے نہیں ہو پا رہی ہے، حضرت مولانا کی اس بات کے

جواب میں میں نے کہا کہ حضرت! پھل کو درختوں سے پہلے پہلے نیچے سے توڑا جا سکتا ہے، اگر درخت اونچا ہو جائے تو پھل شاخ میں ہوتا ہے، لیکن وہ بھی اسی درخت کا پھل ہوتا ہے، اسی لئے عرض ہے کہ میرے وعظ بھی تو در اصل آپ ہی کا وعظ ہے، کیونکہ بندہ آپ جیسے درخت کا شاخ یعنی شاگرد ہے، یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے‘‘۔

حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی مجھے بہت پیار کرتے اور کبھی کبھار بعض امور میں مجھ سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے، آپ میرے مشورے سے نہایت خوش بھی ہوتے تھے، ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا سعید عالم صاحب نے متحدہ عرب امارات سے ایک کتاب لائی، جس کا نام ’’کتاب الکبائر‘‘ تھا، ایس کے بورڈنگ (کوکس بازار) میں مجھ سے فرمایا کہ سعید عالم! دیکھو یہ کیا خوبصورت کتاب ہے، یہ کہتے ہوئے وہ کتاب میرے حوالے کر دیئے، اب میں کتاب لے کر جا رہا تو فرمانے لگے کہ کتاب مجھے واپس دے دو نا! اب میں نے کہا کہ آپ مجھے دیکھنے کے لئے دیئے ہیں اس لئے میں دیکھ رہا ہوں، اب فرمانے لگے کہ ٹھیک ہے دیکھ کر دے دینا، تو جواب میں میں نے کہا کہ:

’’دنیا میں دو آدمی بڑے بیوقوف ہوتے ہیں، ایک کتاب عاریت دینے والا دوسرا عاریت لے کر واپس دینے والا تو آپ ہنس پڑے‘‘۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سرزمین ارکان کے ان دونوں بزرگ ترین ہستیوں اور جلیل القدر عالموں اور قوم کے خادموں کے درجات بلند فرمائیں، ھذا و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و آله و صحبه اجمعین۔

(حضرت مولانا) سعید عالم نینو باساوی، ارمانی

(خطیب ارکان، معلم، محدث ومفسر قرآن کریم)

تاثرات

(۳)

کمالات مفتی ارکان وخطیب ارکان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلو و السلام علی سید المرسلین و علی آله و صحبه أجمعین، اما بعد:

اہل علم حضرات میں سے کوئی حضرت العلامہ الحاج جناب مولانا مفتی سلطان احمد صاحبؒ (یکے از بانیان دار العلوم میانجانپور ارکان) کی سوانح حیات تحریر فرما کر آپ کے احباب وتلامذہ ودیگر خیر خواہان وخیر اندیشگان کے پیش نظر فرما دیتا تو واقعی ایک خوشی کی بات ہوتی، کاش کوئی اس کام کے لئے تیار ہو جائے کہ وہ جناب مفتی صاحب مرحوم کے مفصل سوانح حیات لکھ کر دعائیں حاصل کرے، افسوس! شاید ہم لوگوں میں سے اب تک کوئی صاحب فضیلت ایسا ظاہر نہ ہوا ہو، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے اندر غفلت اور تکاسل کے ساتھ ساتھ علمی بے بضاعتی وتحریری وتصنیفی صلاحیت کا شدید فقدان ہے، اگر میں اس لائق ہوتا تو ضرور کچھ مفتی صاحب ومہتمم دار العلوم میانجانپور کے احوال زندگی اور ان کی خدمات وکارناموں پر مشتمل حالات قلم بند کر کے سرخرو ہوتا، لیکن ایسی میری تقدیر کہاں؟ جب کہ اس وقت میری عمر ۹۲/ سال کے مرحلے سے گزر رہی ہے، ہر جہت سے ناتوانی اور ضعف جسمانی کا عالم ہے۔

شک نہیں ہے کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم بڑے معقول دماغ اور سنجیدہ طبیعت کے عالم دین تھے، آپ نے بہت سارے تلامذہ کو عالم دین اور فضلائے وقت بنایا، آپ نے اپنی زندگی

کے آخری حصہ تک کو خدمت دین میں صرف فرمایا، آپ برما کی کافر حکومت کے خلاف برسر پیکار رہے، جس کی پاداش میں آپ کو بہت سارے مظالم سہنے پڑے، کال کوٹھری کی سزائیں جھیلنی پڑیں، پھر بھی آپ ظالموں کے سامنے جھکے نہیں تھے، آپ اپنے زمانے میں عالی ہمت اور بلند حوصلگی کے کوہِ گراں تھے، کام کے پختے اور عہد و پیمان کے پکے تھے، بڑے غیرت مند ہستی ہونے کے ساتھ سچائی پر قائم رہنے والے بزرگ تھے، شر پسندی اور ناانصافی سے بہت دور رہتے تھے، خطا کاروں سے مچلکہ لے کر انہیں معاف کر دیتے تھے، غریبوں سے خوش دلی کے ساتھ ہم کلامی کرتے تھے، علماء اور اہل علم سے ہمیشہ مل ملاپ رکھتے تھے، آپ سے مل کر ہر کسی کو بہت خوشی ہوتی تھی، غرض آپ کی اور بھی بہت ساری خوبیاں ہیں جن کا بیان مجھ جیسے ناکارہ سے نہیں ہوسکتا، اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائیں، آمین۔

حضرت مفتی صاحب کے چہیتے اور لائق و فائق شاگرد حضرت مولانا الحاج سعید عالم صاحبؒ بن مولانا عبدالحکیم صاحبؒ حضرت مولانا الحاج قاری عبدالودود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دارالعلوم میانجانپور کے بڑے قابل قدر اور شہرت یافتہ مہتمم گذرے ہیں، آپ صاحب استعداد عالم دین ہونے کے ساتھ دارالعلوم کے مدرس و مہتمم مقرر ہوئے تھے، آپ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور معتمد خاص تھے، آپ کی طبیعت ہی ایسی تھی کہ حضرت مفتی صاحب سے ہر کام میں موافقت اور رضامندی حاصل کی جائے، اور ہمیشہ اس کوشش اور فکر میں لگے رہتے تھے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم میانجانپور کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کی ضرورت محسوس کی تو مولانا سعید عالم صاحب رحمۃ اللہ کے ہاتھوں اہتمام کی ذمے داری سونپی، علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحبؒ بخوبی جانتے تھے کہ مولانا سعید عالم صاحب کی خوش بیانی اور مواعظ حسنہ اور متواضع شخصیت سے عموماً لوگ خوش ہوتے ہیں، جسے کام میں لایا جائے تو تحصیل کے کام میں بھی بڑی کامیابی ہوگی، الحمدللہ ہوا بھی وہی، مزید بر

آں آپ بذات خود محنتی، جفاکش اور جوان مرد انسان بھی تھے، بہر حال مجلس شوری نے سارے احوال کا جائزہ لے کر حضرت مولانا سعید عالم صاحب کو دارالعلوم میانجانپور کا مہتمم مقرر فرما کر دارالعلوم کو چمکا دیا، اللہ کرے تا قیامت جگمگاتے رہے، آمین، یارب العالمین۔

بندہ/ ولی احمد

المحدث السابق بالجامعۃ اسلامیۃ دارالعلوم میانجانفور۔

تاثرات

(۴)

آہ! حضرت مفتیٔ ارکان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین، و بعد:

یہ ایک قابل غور بات ہے کہ کسی بھی قوم بحیثیت قوم کے زندہ رہنے کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس قوم کی تاریخ، اس قوم کے بزرگوں کی سوانح عمریاں اور اس قوم کے اعیان کے کارناموں کو محفوظ رکھا جائے، تاکہ اس قوم کی نئی نسلیں اپنے اسلاف کے ماضی سے باخبر اور ان کی زندگی اور کارناموں سے بسہولت مستفید ہو کے وہ اپنے قومی کاموں میں فائز المرام ہوسکیں، اللہ تعالی کا خاص کرم ہے کہ ایسا ایک کام عزیزم مولانا زبیر احمد بن حضرت مولانا سعید عالم صاحب کے ہاتھوں سے ہو پایا ہے، یوں دعائے قلبی ہے کہ اللہ تعالی ان کی اس کوشش کو جامع و مانع بنا کر ملت وقوم کے حق میں مفید ہوجائے، آمین یارب العالمین۔

استاد محترم حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحبؒ جامعہ دارالعلوم میانجانپور کے مجاہد بانیوں میں سے ایک تھے، جو میانجانپور کی تاسیس سے قبل مدرسہ احمدیہ سعد اللہ سر میں بھی عرصے تک خدمت گزاری میں مشغول تھے، میرے خیال میں حضرت مفتی صاحبؒ اپنے زمانے کے علمی وفکری قطب تھے، آپ کے متعلق ایک قول یہ معروف تھا کہ مظاہر العلوم سہارنپور جیسے مدرسہ میں سامعین کے بھری محفل میں شرح ملا جامی کی تکرار آپ کے ذمے تھی، جس سے

ظاہر ہوتا ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں آپ بحیثیت طالب علم کتنے ذہین وفطین تھے، آپ بحیثیت ایک صاحب کمالات عالم دین اور معلم و مدرس کے اپنے زمانے میں نہ صرف ارکان بلکہ بنگال میں بھی معروف ومشہور تھے، احقر العباد راقم سطور نے درج ذیل کتابیں آپ سے پڑھی ہیں: نفحۃ الیمن، مقامات حریری، ہدایہ ثالث و رابع، مختصر المعانی، شرح ملا جامی، اس دوران شروع کے کئی مہینے متن خوانی احقر کے ذمے تھی، ایک دن احقر کی عدم موجودگی میں آپ نے فرمایا تھا کہ جماعت بھر میں نذیر احمد کے علاوہ کوئی اور ایک لڑکا بھی صحیح عبارت پڑھنے والا نہیں ہے، یہ بات رات کو تکرار کے وقت مجھے ایک ساتھی نے بتایا تھا، غرض مفتی صاحب احقر پر حسن ظن کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنے خاص فضل وکرم سے آپ کی مغفرت فرما کر درجات بلند کریں۔

عزیزم پیارے بھائی مولانا رحمت کریم سلمہ اللہ تعالی کی ہمت افزائی پر حضرت مفتی صاحب کے حوالے سے میں نے کچھ لکھ دیا، ورنہ میں کہاں اور حضرت کے مقام کہاں، آخر میں بصدق دل سے دعائے خیر کرتا ہوں کہ وہ میرے عزیز مولوی رحمت کریم پر عنایات فرمائیں، آمین، **ھذا و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔**

خواستگار دعا:

احقر/نذیر احمد

سابق صدر المدرسین جامعہ دارالعلوم میانجانپور

تاثرات

(۵)

ہمارے دو محسنین کرام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ و علی آلہ اصحابہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا، وبعد:

ماضی قریب میں ارکان کی سرزمین کو جن اہل علم ودانش کے وجود کی سعادت حاصل ہوئی ہے ان میں سے ایک مایۂ ناز فرزند حضرت العلامہ مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم میانجانپور بھی ہیں، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم میانجانپور برما وارکان کے قدیم وجدید مدارس اسلامیہ میں درس وتدریس، تعلیم وتعلم، ارشاد وافتاء اور دعوت وتبلیغ جیسی خدمات کی وجہ سے علاقہ بھر میں سب سے اعلی وبرتر اور ممتاز رہا تھا، جس کا بانی اور اپنے زمانے کے سرپرستِ اعلی حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی، بلی بازاری تھے، انہوں نے اس جامعہ کی تعمیر وترقی سے لے کر چلنے چلانے میں دارالعلوم دیوبند کے دستور اساسی سے ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کیا، اور دوسرے معلمین وموظفین سے زیادہ خود اپنے آپ کو اس دستور وقوانین اور آئین وضوابط کا مکلف بنایا، حتی کہ ارکان کے اہالیانِ مدارس اسلامیہ خصوصا اور برما کے عام مدارس اسلامیہ عموما حضرت مولانا کی آرائے قیمہ اور صواب دیدگیوں سے مستفید ہوکر اپنے اداروں کو چلاتے رہے تھے۔

حضرت مولانا سلطان احمد صاحبؒ شریعتِ اسلامیہ کے نہایت پابند ایک عظیم عالم دین

تھے، اور تو اور حاسدین سے مقابلے اور خصومات تک میں شریعت اسلامیہ کے خلاف ورزی کرنے سے گریز فرمایا کرتے تھے، آپ اپنے زمانے میں ثابت قدمی کا ایک زندہ اور مثالی نمونہ تھے، آپ سیاست کے میدان میں بھی حصہ لیتے رہے تھے، جبھی سرزمین ارکان میں برمی حکومت اور مفسد مگھ برمی شر پسندوں کی طرف سے ابادۃ الجماعی کی کاروائی روہنگیا مسلمانوں کے خلاف ہوتی رہی، جو حیا سوزی کے ساتھ عام ہوتی جارہی تھی، ویسے غیور مسلمانوں نے حکومت برما اور مگھوں کے خلاف حالات کے تقاضا کے مطابق حرکت شروع کردی تو حضرت مولانا نے ان مسلم محرکین ومجاہدین کا اپنے انداز میں بھرپور ساتھ دیا تھا، برمی حکومت ان محرکین ومجاہدین کو باغی قرار دے کر مختلف بہانے سے ارکان کے چنید وچنیدہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے لمبی مدت کے لئے قید خانے میں ڈال دیتی تھی، اور جن کے پاس کچھ مال ودولت تھی ان سے زر کثیر کا تاوان لیتی رہی تو حضرت مفتی سلطان احمد صاحب نے دارالعلوم معین الاسلام ہاٹھزاری کے مفتی حضرت مولانا فیض اللہ صاحب وغیرہ جیسے مفتیان کرام سے بذریعۂ تحریری استفتاء اور دارالعلوم دیوبند وغیرہ جیسے اداروں کے مفتیان کرام سے بذریعہ ٹیلیفون رابطہ استفتاء کر کے متفقہ فیصلہ کو نشر اشاعت فرماتے ہوئے ارکانی محرکین ومجاہدین کی مگھ برمیوں کے خلاف کی جانے والی حرکات اور جہد مسلسل کو بالشروط الاسلامیہ جائز قرار دیتے رہے تھے، اور خود ان کو اپنے مفید مشوروں سے رہنمائی بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ کا تذکرہ ہے کہ حضرت مولانا نے ہاٹھزاری کے مفتی صاحب سے جب یہ مسئلہ پوچھا کہ ارکان کے ان مجاہدین کی نصرت کی جائے یا مخالفت؟ تو مفتی صاحب نے مولانا سے پوچھا کہ ان کی گولیوں سے آواز نکلتی ہے یا نہیں؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہاں آواز ضرور نکلتی ہے، پھر پوچھا کہ کا فرلوگ ان سے خوف کھاتے ہیں یا نہیں؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ خوف کھاتے ہیں، تب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ

ان کی حمایت اور نصرت کی جائے، اور ساتھ ہی ساتھ انہیں نصیحت بھی کی جائے کہ وہ خلاف شرع کاموں میں ملوث نہ ہوں اور گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔

جدید وقدیم اکابرین پر حسن ظن اور حسن عقیدت جو راقم سطور کے ہمیشہ کا شیوہ اور پیشہ رہا ہے، اور جن بزرگوں سے مستفید ومستنیر ہو کر مجھے اپنی حیات کو روشن کرنے کی توفیق ملی ہے، اور کلمہ گو مسلمانوں سے نفرت وحسد اور بغض وعداوت جیسی برائی سے قلب پاک ہوا ہے، دراصل یہ ساری نعمتیں مجھے حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب کی صحبت سے نصیب ہوئی ہے، اسی کے حرص وطمع میں مجھے گاہ بگاہ مفتی صاحب سے ملنے کی توفیق ہوئی تھی۔

روہنگیا قوم کے ضعفاء اور مریضوں کے علاج و معالجہ کے متعلق ہمارے مابین مشورے ہوتے رہتے تھے، اس حوالے سے ایک ملاقات میں ہمارے درمیان بے حد اور سنجیدگی سے بات چیت ہوئی تو حضرت مولانا نے ہماری بات چیت سے نتیجہ نکالتے ہوئے فرمایا کہ:

"فریقین کے مابین کے مشورے کے موازنہ سے میرے دل میں یہی خیال آیا ہے کہ حکومت برما کے پاس اس حوالے سے ہم درخواستیں دیتے رہیں، اور ظاہر ہے کہ ان بدھسٹوں میں کچھ مہذب لوگ بھی ہوتے ہیں، ہمیشہ ان سے رابطہ رکھیں اور ساتھ ہی ساتھ خفیہ طریقے سے مسلم متحرکین ومجاہدین کے ساتھ مادی اور روحانی اعتبار سے خیر خواہی کا برتاؤ کریں، اور ان کے درمیان تقوی وپرہیزگاری کا ماحول وفضاء پیدا کریں"۔

اب حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدوی کے معا بعد حضرت کے شاگرد رشید اور زندگی بھر کا ساتھی ورفیق سفر خطیب الخطباء حضرت مولانا الحاج شیخ سعید عالم صاحب ریدوی، بلی بازاری رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ کے متعلق دو ایک سطر لکھ کر سعادت مند ہونا چاہتا ہوں، وہ یہی ہے کہ میں نے مفتی صاحب اور مولانا سعید عالم صاحب ریدوی کو

جب سے دیکھا گویا جڑواں ہی دیکھا تھا، دونوں بزرگان دین متین آپس میں رشتہ دار اور ایک ہی بستی کے مکین تھے، ویسے دونوں بزرگ مدرسہ میں بھی ایک ہی ساتھ آتے جاتے رہتے تھے، اور سب سے بڑی بات یہی ہے کہ یہ دونوں استاد وشاگرد آپس میں ہم خیال بھی تھے، اور دونوں دستور دار العلوم دیوبند کی روشنی میں لکھے گئے دار العلوم میانجانپور کے دستور اساسی کے نہایت پابند اور طرف دار تھے۔

حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی سابق مہتمم دار العلوم میانجانپور صاحب فرقۂ باطلہ اور بدعت وخرافات کے خلاف ایک اعتبار سے سنگ گراں تھے، آپ کو سیاست وقیادت اور فکر وتدبر سے خاصی دلچسپی ووابستگی تھی، آپ اپنی تقریر اور جادو بیانی کے ذریعے باطل کے خلاف لڑنے میں ایک کامیاب بزرگ تھے، جتنا بھی سنگ دل آدمی کیوں نہ ہو آپ کے پند ونصیحت سے ضرور متاثر ہوتے تھے، اور سب سے بڑی بات یہی ہے کہ حضرت مولانا کے قول وعمل میں نہایت موافقت اور مطابقت ہوتی تھی، آپ کی طبیعت میں شدت کا شائبہ تک نہیں تھا، ہر کس وناکس کے سامنے نرمی سے پیش آتے تھے، ہر دل عزیز مبشر تو تھے ہی لیکن منفر نہیں تھے، ساتھ ہی ساتھ بڑے پائے کے مہمان نواز بزرگ تھے، مولانا درسیات اور مواعظ کے افہام وتفہیم میں نہایت ممتاز تھے، آپ ہمیشہ مفتی سلطان احمد صاحب کے نقش قدم پر چلتے تھے، اللہ تعالی ان دونوں بزرگوں کی مغفرت کرے اور درجات بلند فرمائے، آمین یارب العالمین۔

(حضرت مولانا) محمد صالح بن محمد سعید ارکانی
سابق شیخ الحدیث جامعہ خدام الاسلام جیمنگ خالی
ثم جامعۃ الشیخ محمد الیاس محمد ایوب الاسلامیۃ
وموسس مدیر معہد ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

تاثرات

(۶)

تتنزل الرحمۃ عند ذکر الصالحین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاد محترم حضرت العلامہ جناب مولانا مفتی سلطان احمد بن امین شریف صاحب ریدوی سے میرا تعلق اس وقت ہوا جب میں مدرسہ دارالعلوم میانجانپور میں جماعت ہفتم میں داخلہ لیا تھا، اس دن سے میرا قیام حضرت کے کمرہ میں متعین ہوگیا، اس وقت سے لے کر جماعت دوم تک یعنی مسلسل چھ سالوں تک حضرت کے کمرہ میں رہا، اور حضرت سے تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت حاصل کی۔

میں جماعت دوم کے سالانہ امتحان کے بعد رمضان ہی میں دارالعلوم معین الاسلام ہاٹھزاری چلا گیا، دورۂ حدیث وتفسیر سے فراغت کے بعد جب میں وطن واپس آیا تو دیکھا کہ مولانا نے اس وقت دارالعلوم میانجانپور کے بعض اساتذہ کی بداخلاقیوں سے ناراض ہوکر اپنے آبائی وطن ریدہ میں حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدویؒ کی شمولیت میں ''الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ'' نامی ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، مجھے اس وقت سے لے کر آپ کی آخری حیات تک آپ کے ساتھ تدریسی خدمت انجام دینے کی توفیق ہوئی تھی۔

مجھے اپنی تعلیمی اور تدریسی رفاقت کے زمانے (جو چودہ سالوں پر مشتمل ہیں) میں یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں پاکر کچھ مدت عیدگاہ (جنوبی چاٹگام) والے مدرسہ ''المامسیہ'' میں حاصل کی، اس کے بعد اعلی تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم دیوبند کا سفر اختیار کیا، اس تعلیمی سفر کے دوران آپ نے دیوبند کے استاد اعلی حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب سے بیعت کی، وہاں سے واپس آنے کے بعد حضرت مولانا مفتی

عزیز الحق صاحب (بانی جامعہ اسلامیہ پٹیہ) کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت مفتی صاحب کی انتقال کے بعد پٹیہ مدرسہ کے صدر مدرسین حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوکر خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے، اور جس سال آپ دارالعلوم ریدہ کی طرف سے رنگون گئے تھے اس سفر کے دوران آپ صدر جمعیت علمائے برما حضرت مولانا مفتی محمود داؤد یوسفؒ سے بیعت ہوکر خلافت سے سرفراز ہوئے تھے۔

حضرت استادنا المکرم خطیب ارکان الحاج مولانا سعید عالم بن الحاج مولانا عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں، مولانا موصوف رشتے میں میرے حقیقی خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور میرے حقیقی بہنوئی بھی، میں حد شعور کو ابھی نہیں پہنچا تھا کہ میری بہن کا وصال ہوگیا لیکن ان کے بطن سے صرف ایک بیٹا باقی رہ گیا، جو اس کتاب کے مولف جناب الحاج مولانا زبیر احمد سلمہ تعالی ہیں۔

مولف موصوف کے واسطے سے دارالعلوم میانجانپور میں جماعت ہفتم میں داخلہ لیا تھا، اسی وقت سے لے کر جناب استاد مکرم حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدویؒ کے حالات قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا، کبھی کبھار موصوف کے ساتھ وعظ کی مجلس میں حاضری کی توفیق بھی ہوئی تھی، جہاں تک دیکھا اور اندازہ کیا کہ وعظ کے دوران سامعین مجلس دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجاتے تھے، مولانا مثنوی شریف کے اشعار ایسے پڑھتے کہ لگتا تھا کہ ابھی دنیا میں دوسرا حضرت مولانا علامہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔

مجھ ناچیز کو حضرت استادنا المکرم سے قدری سے لے کر بہت سی کتابیں پڑھنے کی توفیق نصیب ہوئی، فراغت تعلیم کے بعد بندہ اور چند ساتھیوں کو لے کر حضرت مفتی صاحب اور حضرت مہتمم صاحب دونوں نے الادارۃ الاسلامیہ دارالعلوم ریدہ کی تاسیس کی، اسی وقت سے لے کر مجھے حضرت کے سفر وحضر میں ساتھی بن کر خدمت کرنے کی توفیق ہوئی ہے، اس وقت کی بات ہے کہ مجھے ایک دفعہ حضرت مولانا سعید عالم صاحب نے جامعہ اسلامیہ پٹیہ کے

معروف عالم ومشہور بزرگ حضرت مولانا علی احمد بوالوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شہد کی بوتل لے کر بھیجا تھا، اس وقت ہی مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی حضرت بوالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلافت یافتہ اور مجاز بیعت ہیں۔

حضرت مولانا سعید عالم صاحبؒ کو تقریبا ۲۰ سے زائد حج کرنے کی توفیق ہوئی، سفر حج کی دوران بندہ کو کئی دفعہ حضرت کے ساتھ ڈھاکہ و چاٹگام جانے کا موقع ملا تھا، حضر تو حضر بلکہ اسفار میں معلوم ہوا ہے کہ حضرت بلاناغہ تہجد کے پابند عالم دین ہیں، چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ ان اسفار کے دوران بھی رات کے آخری حصے میں تہجد کے بعد دوازدہ تسبیح کے ورد کو بڑے عاشقانہ انداز میں کرتے اور بیچوں بیچ کبھی کبھی اشعار عاشقانہ پڑھتے تھے۔

جس وقت حضرت مولانا سعید عالم صاحب ہجرت کرکے نہلا میں مقیم ہوگئے، میرے قلب میں ہروقت یہ تمنا رہتی تھی کہ میں حضرت کے جنازہ میں حاضر ہوسکوں، اللہ تعالی سے اس حوالے سے ہروقت دعا کرتا رہتا تھا، یہاں تک کہ میں رمضان المبارک میں شہر چاٹگام میں تھا، اچانک خبر آئی کہ حضرت کو کوکس بازار کی ہسپتال میں بھرتی کرایا گیا ہے، پھر رات کو خبر ملی کہ آپ کو چاٹگام لایا جارہا ہے، یوں میں بھی ہسپتال گیا اور CSCR ہسپتال چاٹگام میں آپ کو بھرتی کرا گیا، لیکن اللہ تعالی کو کچھ اور منظور تھا کہ ہرچند کوشش کے باوجود آپ کو افاقہ نصیب نہیں ہوا، ویسے شام پانچ بجے میرے سامنے آپ دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، انتقال کے بعد آپ کو چاٹگام سے نہلا لایا گیا، اور دوسرے دن بعد الجمعہ جامعہ اسلامیہ دارالسنہ نہلا کے آنگن میں نماز جنازہ پڑھ کر سپرد خاک کیا گیا، خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

احقر/نور الزمان

نائب مہتمم الادارۃ الاسلامیہ ریدہ

تاثرات

(۷)

ارکان کے دو عبقری علماء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي خلق الإنسان، وعلمه البيان، والصلاة والسلام على محمد بن عبد الله الذي بعث الى كافة الناس بشيرا ونذيرا، وعلى آله واصحابه ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين، امابعد:

اللہ تعالی کا شکر ہے کہ جس نے اس ناچیز بندہ کو قوم کے اعلی ترین دو بزرگانِ دین کی حیات مبارکہ کے بارے میں کچھ لکھنے کی توفیق بخشی ہے۔ دراصل بات یہی ہے کہ اللہ تعالی اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کو راہِ راست پر لانے اور ان کی پریشان زندگیوں کو سنوارنے کے لئے وقت وقت پر یکے بعد دیگرا اپنے نیک بندوں میں سے بعض کو چن لیتا ہے، ویسے یہ نیک بندے سماج میں ظاہر ہوتے ہیں، تاکہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالی کی طرف بلائے اور مالکِ حقیقی کا تعارف کرائے، میرے نزدیک اللہ تعالی کے ان مقبول بندوں میں سے گرامی محترم حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب ریدویؒ اور حضرت مولانا سعید عالم بن مولانا عبدالحکیم صاحب ریدویؒ بھی ہیں، جن کا ہر ایک کام اور جن کی زندگی کی ہر سرگرمیاں بے مثال وہ بے نظیر تھیں، راقم کے نزدیک ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے وقت میں ایک ایک عبقری انسان تھے، ان کی پوری پوری زندگیاں یقینا لائق مطالعہ اور قابل اتباع ہیں۔

ہمارے پیارے وطن سرزمین ارکان کے معروف ومشہور مفتی حضرت العلامہ جناب مولانا سلطان احمد بن امین شریف بن امیر علیؒ کی منور زندگی کے بعض حالات اور معاملات میں آپ

کی استقامت کی مثالیں تمام جاننے والوں کے دلوں میں آج بھی چمکتی ہیں۔

بچپن ہی سے مفتی صاحب کی ہر حرکات وسکنات میں ثابت قدمی کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے، آپ تعلیمی سلسلے میں جہاں کہیں بھی داخلہ لیتے وہیں سے آپ کی شہرت کی صدائیں آتی تھیں، حتی کہ حدیث وفقہ وغیرہ اور دیگر تخصصات میں آپ جس شہرت کے حامل تھے، اس کا چرچا آج بھی ارکان کے ہر طبقہ کے لوگوں میں عموما اور علمائے کرام کی زبان میں خصوصا ہوتا رہا ہے۔

فراغت تعلیم کے بعد مولانا مفتی سلطان احمد صاحب اپنے وطن میں واپس آئے، اس کے مابعد اپنی عملی زندگی کا آغاز کر دیا، آپ نے تجارت میں بھی کچھ وقت گزارا، بعد ازاں حضرت نے تجارت کو چھوڑ کر اپنی قیمتی زندگی کو دینی تعلیم کی اشاعت میں قربان دینے کا عزم مصمم کر لیا، اس سلسلے میں چند سال جامعہ دار العلوم احمدیہ سعد اللہ سر میں خدمات انجام دیں، پھر آپ نے بڑے اخلاص اور للٰہیت کی بنیاد پر شبانہ روز کی محنت کے ذریعے دار العلوم میانجانپور کے نام سے ایک دینی وتعلیمی ادارہ کی بنیاد رکھی، جو آگے چل کر پوری قوم کے لئے مشعل راہ بنا، جس کی خوشبو دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں پوری سرزمین میں پھیل گئی، اور پورے ارکان سے علم وعمل کے متلاشی طلباء شہد مکھیوں کی طرح اس کی جانب امنڈ آنے لگے تھے۔

مولانا سلطان احمد صاحب جس طرح ایک بڑے متبحر عالم دین تھے، ٹھیک اسی طرح وہ ایک بڑے پائے کے اللہ والے متقی بھی تھے، اس حوالے سے مجھے ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آیا ہے کہ سرزمین ارکان میں فقیر مولوی صاحب نامی ایک معروف ومشہور اللہ والے بزرگ تھے، ان کے بہت سے کارنامے اور کرامات کی باتیں آج بھی لوگوں میں مشہور ہیں، ایک دن مفتی صاحب نے ان کو جذب کی حالت میں ایک عجیب صورت میں دیکھا تو طلباء کو ساتھ لے کر ان کا استقبال کیا، مشہور بات ہے کہ ''قلندر قلندر کو پہچانتا ہے'' تو آپ پر فقیر مولوی

صاحب بہت خوش ہوئے، اور فرمایا کہ اللہ آپ کو اسی طرح سلطان بنائے کہ جس طرح آپ کا نام سلطان ہے'' یوں آگے چل کر فقیر صاحب کی دعا کی قبولیت ثابت ہوئی کہ مفتی سلطان احمد صاحب ایک حیثیت سے اپنے وقت کا ایک بڑا سلطان بن گئے تھے، اللہ تعالی آپ کے تمام اعمال اور سرگرمیوں کو قبول فرمائیں۔

لوگوں کو اصلاح کرنے کے حوالے سے مفتی صاحب کی فکر اور ثابت قدمی کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو اپنے گاؤں کے ایک آدمی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بسم اللہ کے بجائے فقط اللہ اکبر کہہ کر جانور ذبح کرتا تھا، مفتی صاحب نے اسے بلایا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت پیار سے سمجھایا تھا، لیکن اس نے اپنی غلطی سے مراجعت نہیں کی، اس کی عدم مراجعت پر مفتی صاحب غصے میں نہیں آئے بلکہ آپ نے اس کی اصلاح کے لئے بار بار کوشش کی، اس کو نصیحت کرتے رہے، حتی کہ اس کے سامنے لکڑی کا ایک ٹکڑا رکھ کر ذبح کرنے کے طریقہ سکھائے تھے، بالآخر اللہ تعالی نے اس کی ہدایت کا فیصلہ فرمایا اور وہ ذبح سے پہلے بسم اللہ اللہ اکبر کہنا شروع کر دیا تھا، اس ایک واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مفتی سلطان احمد صاحبؒ دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ کے حوالے سے کتنے مدبر اور صابر تھے، غرض جو انسان اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑتا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے، اسے اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں سرخرو کرتا ہے، ویسے امید نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب کو دنیا میں جس طرح معزز بنایا تھا، اسی طرح آخرت میں بھی سرخرو فرمائے گا۔

حضرت مفتی سلطان احمد صاحب کے شاگردِ رشید اور معتمد خاص حضرت مولانا سعید عالم صاحب کے حالات کے متعلق اتنی سی عرض ہے کہ میرا ابا جان جناب کبیر احمد بن حسن علی سردار صاحب مولانا کا حقیقی ماموں تھے، یوں وہ حضرت کو لے کر بے حد فخر کرتے اور ہر نیک کاموں کی انجام دہی کے دوران ہر کجا ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہر نومولود کا نام

رکھنے اور ہر میت کی نماز جنازہ پڑھانے میں انہی پر ذمہ داری سونپتے تھے، ہمارے قبیلہ میں انہی کو یہی خاص مقام عطا کیا جاتا تھا، ان کے معمولات زندگی اور ان کی بعض کرامات وخوارق عادات کو دیکھ کر علاقے کے تمام باشندے ہر ذیشان امور کو بطور شرافت ان کے بابرکت ہاتھ سے افتتاح کرتے تھے، کوئی بھی ان کے فیصلے پر کسی قسم کا اختلاف نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مرحوم والدصاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میرا یہ بھانجہ سعید عالم اللہ تعالی کی طرف سے ایک ذیشان اور انمول عطیہ ہے، کیونکہ ان کو کسی کام میں ساتھ لے جایا جائے تو محروم واپس ہونا نہیں پڑتا، مثلا ہمارے علاقے میں ہرن کا شکار زیادہ کیا جاتا تھا، جس دن ان کو ساتھ لے جایا جاتا تو ضرور ہرن قابو میں آجاتا تھا، اسی طرح مچھلی کے شکار کے لئے ان کو ساتھ لے جایا جاتا تو مچھلیاں زیادہ مل جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں میری اماں جان نے ایک مرتبہ ہم سب کے سامنے یہ بات بتائی ہے کہ:

> ’’مولوی سعید عالم کو اللہ تعالی کی جانب سے جو عنایات ہوئی ہیں ممکن ہیں کہ وہ ان کی والدہ کی خدمت کی وجہ سے ہوئی ہوں، کیونکہ ہم نے اپنی آنکھوں سے بہتوں مرتبہ دیکھا کہ موصوف نے اپنی والدہ کی بڑی خدمت کی ہے، ان کی والدہ مرحومہ کے جسم سے بہت ہی خون نکلتا تھا، اس مہلک مرض کو ہماری مقامی زبان میں ’’خون جاری‘‘ کہا جاتا ہے، اس مرض میں مبتلا ہونے کے دوران موصوف اپنی ماں کے خون آلود کپڑوں کو اپنے سر پر اٹھائے ہمارے پورب کی جانب والے کنواں (زنکوا) سے صاف وشفاف کرکے لاتے تھے، اسی طرح وہ اپنی پیاری والدہ کی بہت ہی خدمت کرتے تھے، شاید اس کی بدولت یہ فیوضات وعنایات اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہوں‘‘۔

راقم الحروف ۲۰۰۳ء سے لے کر ۲۰۱۵ء تک اکثر وبیشتر مولانا کا رفیق سفر تھا، ان سفروں میں میں نے بار ہا دیکھا کہ آپ لوگوں سے بالکل مایوس تھے، بطور خاص کسی سے مدرسہ کے لئے چندہ

کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، بلکہ عام وعظ ونصیحت کے بعد مدرسہ کے عام ضروریات کو عمومی طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے، جب کہ بہت سارے عاشقین آپ کے یہی اعلان کے منتظر ہوتے تھے، چنانچہ ابھی اعلان ہو گیا تو یکے بعد دیگر آپس میں مسابقہ شروع ہو جاتے تھے۔

مولانا کی طبیعت بالکل سادہ تھی، طبیعت کھولتی تو کبھی کبھار مذاق بھی کر لیا کرتے تھے، آپ معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگوں سے ان کے مرتبے کو سمجھ کر ملتے تھے، پند ونصیحت کے دوران آپ کے بیان کا انداز عمومی ہوتا تھا، مجلس وعظ میں سامعین میں سے کون بڑا اور کون چھوٹا ہے اس کا خیال نہیں کرتے تھے، بڑی سادگی اور عام فہم زبان میں بیان فرماتے تھے، دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے، اور آپ کو جنت کے اعلی مقام عطا کرے۔

محب محترم جناب الحاج مولانا نازبیر احمد بن الحاج مولانا سعید عالم صاحب کو اللہ تعالی مزید توفیق سے نوازے، انہوں نے مجھ ناچیز سے فرمائش کی کہ میں حضرت مولانا جناب مفتی سلطان احمد صاحب اور حضرت مولانا سعید عالم صاحب رحمہا اللہ کی شاندار زندگیوں کے بارے میں دو ایک کلمات لکھ کر سعادت حاصل کروں، یوں میں بس سعادت حاصل کرنے کی غرض سے قلم ہاتھ میں لیا ہوں، وما توفیقی الا باللہ۔ تاہم اس میں خطا اور لغزش کی خاصی گنجائش ہے، ناظرین وقارئین سے امید نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ اطلاع دے کر مشکور ہوں گے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی مولف محترم کی جملہ کوشش اور تمام کاوشوں کو قبول کرے اور امت کے حق میں اسے نافع بنائے، آمین یارب العالمین۔

راقم الحروف:

(مولانا) بشیر احمد بن کبیر احمد غفرلہ ولوالدیہ

خادم جامعہ اسلامیہ پٹیہ، چاٹگام، بنگلادیش۔

تاثرات

(۸)

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی, اما بعد:

سرزمین ارکان کے عظیم المرتبت عالم دین، داعی و ناصح میرے نانا جان حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدویؒ کی زندگی میرے لئے ایک عظیم مدرس اور مشعل راہ ہے، میں ان کی حیات مبارکہ کے چند واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ جو نہ صرف میرے لئے بلکہ ہر پڑھنے والوں کے لئے نصیحت وعبرت کے ذریعے ہوں گے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں جامعہ دارالسنہ نہلا کے سینئر استاد سابق ناظم تعلیمات جامعہ میانجانپور حضرت مولانا محمود حسن کے پاس بہشتی زیور پڑھتا تھا تو وہ اکثر مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے نانا کی طرح بننے کی کوشش کیا کرو، جب میں نے پوچھا کہ وہ کیسے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: تمہارے نانا اپنی والدہ کی بے حد خدمت کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر کبھی کلاس میں دیر ہو جاتی اور ان سے وجہ پوچھی جاتی تو وہ کہتے تھے کہ میں اپنی اماں کے کپڑے دھو کر آیا ہوں۔

اسی طرح میری والدہ ماجدہ نے مجھے کہا تھا کہ تیرے نانا اپنی والدہ کے خون آلود کپڑے بھی دھویا کرتے تھے، یہی وہ عظیم خدمت تھی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو صدر العلماء کا مقام عطا فرمایا۔

اسی طرح ایک مرتبہ میری نانی نے مجھے بتایا تھا کہ جب تیرے نانا کی والدہ ان سے تھوڑی خفا ہو جاتیں تو ان کی حالت ہی بدل جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ اپنے کھانا پینا اور آرام تک کو چھوڑ کر اپنی والدہ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہتے، اور ہر چند منانے کی کوشش کرتے، یہاں تک کہ وہ مان جاتی تھیں“۔

میں جہاں بھی جاتا اور کسی سے اپنا تعارف کرواتا کہ میں فلاں بزرگ کا نواسہ ہوں تو وہ حیرت سے کہتا کہ وہ بہت سادہ، مخلص اور بے حد اچھے انسان تھے، کسی سے حسد نہیں کرتے تھے، اس کے بارے میں ایک حیرت انگیز واقعہ سنا ہے کہ ایک زمانہ میں یہ حالات تھے کہ میرے نانا مدرسے کی طرف سے حصول چندہ کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کیا کرتے تھے، اسی بنا پر برمی حکومت نے انہیں باغی قرار دے دیا تھا، اور وطن میں داخلے پر مکمل پابندی عائد کر دی تھی، لیکن اس پابندی کے باوجود ایک مرتبہ آپ اپنے گھر تشریف لائے، اس کی اطلاع حکومت کو مل گئی تو اچانک حکومت کے کارندوں میں سے ایک شخص آیا اور میری والدہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے والد گھر آئے ہوئے ہیں؟ تو میری والدہ نے جواب دیا کہ نہیں لیکن اسی وقت مولانا موصوف خود گھر کے اندر سے باہر ہو کے سامنے آ گئے اور فرمایا: جی ہاں میں آیا ہوں، اس واقعہ سے آپ کی سادگی اور سادہ لوحی کی کہانی ملاحظہ ہو سکتی ہے، کیوں کہ اس واقعہ میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ انہیں مخفی رہنے کا پورا موقع حاصل تھا، مگر انہوں نے اپنی سادگی اور راست گوئی کی بنا پر حکومت کے کارندے کے سامنے اپنی موجودگی کا اظہار کر دیا تھا۔

میں نے بہتوں کو یہ بات کہتے ہوئے سنا کہ تمہارے نانا کا وعظ ایسا ہوتا تھا کہ سننے والے زار وقطار رونے لگتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تم اپنے نانا کی طرح بننے کی کوشش کیا کرو، ان کا بیان ایسا موثر تھا کہ کوئی بھی بغیر روئے نہ رہ سکتا تھا۔

ایک مرتبہ فجر کے وقت ایک شخص سے ملاقات ہوئی، جب میں نے اس سے اپنا تعارف کرایا تو اس نے کہا تمہارے نانا رات کے آخری پہر تک وعظ کرتے اور ایسے اشعار پڑھتے کہ ہر سننے والا اشکبار ہو جاتا تھا۔

ایک روز حضرت مولانا بشیر احمد صاحب حفظہ اللہ نے میرے نانا جان کے اوصاف وکمالات بیان کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا تھا کہ:

”تمہارے نانا حضرت مولانا سعید عالم صاحبؒ کا وعظ ایک منفرد تاثیر کا حامل تھا، ایک ہی موضوع پر ہم لوگ سینکڑوں واعظین سے خطاب سن چکے

ہوتے ہیں، لیکن جب اسی موضوع پر بیان تمہارے نانا کی زبان شیریں سے ادا ہوتا تو اس کا رنگ ہی کچھ اور ہو جاتا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہی پرانا مضمون ایک نئی روح کے ساتھ زندہ ہو گیا ہو، جس کا نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ اس موضوع پر کسی دوسروں کا وعظ سننے کو دل نہیں چاہتا، تمہارے نانا کا بیان ایسا دلنشین اور مؤثر ہوتا کہ لوگ اسے سنے بغیر نہیں رہ سکتے تھے“۔

ایک روز جامعہ دارالسنہ کے ایک استاذ نے مجھ سے بتایا کہ تمہارے نانا کا خط نہایت خوبصورت اور دلکش ہوا کرتا تھا، تم بھی ان کی طرح لکھنے کی کوشش کیا کرو، یہ سن کر میں ایک دن ان کے گھر گیا تا کہ خود اس کا مشاہدہ کروں، جب میں نے ان کی تحریریں دیکھیں تو حیرت میں پڑ گیا تھا، واقعی ان کا خط بڑا حسین، سلیس اور جاذب نظر تھا۔

میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو میرے نانا جان بہت زیادہ فکر مند ہو جاتے تھے، وہ کتاب بند کر دیتے، آنکھیں کھول کر گہری سوچ میں ڈوب جاتے تھے، اور ایسی حالت میں کبھی کبھار فرماتے کہ میری موت کب آئے گی؟ میں اللہ کے پاس کیا لے کر جاؤں گا؟ اللہ نے مجھے اس دنیا میں کیوں بھیجا ہے اور میں نے اس دنیا میں کیا کچھ کیا ہے؟ یہ بات ان کی آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کے حوالے سے فکر و احساس کی واضح دلیل تھی۔

میرے نانا جان رحمہ اللہ کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ بندوں کے لئے والدین کی خدمت، سادگی، اخلاص اور آخرت کی فکر ہی اصل کامیابی کا راستہ ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حامد بن مولوی حافظ شفیع اللہ

من شرکائے تخصص فی الفقہ جامعہ اسلامیہ ضمیریہ پٹیہ

۱۹/ ۱۰/ ۱۴۴۷ھ

تاثرات

(۹)

چند ناقابل فراموش یادیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين، امابعد:

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی رحمہ اللہ تعالی مفتی دیار ارکان، بانئ و شیخ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم میاجانپور کی شخصیت کسی کے لئے محتاج تعارف نہیں، حضرت رحمہ اللہ کی سوانح حیات پر برادر محترم مولانا زبیر احمد بن حضرت مولانا سعید عالم سلمہ نے خاصی روشنی ڈالی ہے، اور اس پر حضرت مولانا محمد طاہر جمال ندوی مدظلہ فاضل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ہند نے نظر ثانی وضروری اصلاحات کے بعد ایک جامع مانع مقدمہ بھی لکھ دیا ہے، اللہ تعالی ان دونوں حضرات کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دینی، ملی، تعلیمی اور سیاسی خدمات کو اگر کوئی شخص قلم بند کرنا چاہے تو یہ کام سمندر میں غوطہ لگانے کا مترادف ہوگا، تاہم حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ پیش آنے والے میرے چند واقعات ذیل کے سطور میں پیش خدمت ہیں:

بندہ سن ۱۹۷۱ء میں مدرسہ امداد العلوم ڈیلتلی سے تفوق کلی لے کر جماعت ہشتم مکمل کر کے جب سن ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم میاجانپور میں جماعت ہشتم کو دوبارہ پڑھنے کے ارادہ سے داخلہ لیا تو پہلی مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، ویسے حضرت جیسی مثالی

شخصیت کے سامنے دو ماہ تک زانوئے تلمذ خم کرنے کی سعادت حاصل کی، اس دوران علم نحو کی مشہور کتاب (نحو میر) کے ابتدائی چند صفحات کو محققانہ انداز میں حضرت سے جو پڑھا وہ ناقابل فراموش ہے۔

چونکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ میری سب سے بڑی ہمشیرہ کا ماموں سسر تھے، اس لئے میرے ساتھ بہت شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اصول وضوابط کے بڑے پابند تھے، رشتہ داری کی بنیاد پر کسی کے ساتھ رعایت نہیں فرماتے تھے، دو ماہ تک انہماک سے پڑھائی میں مشغول رہنے بعد جب میں نے حضرت کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ میں جماعت ہفتم میں داخلہ لینا چاہتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ دارالعلوم میانجاپور میں قرابت داری کی بنیاد پر کسی کو مستثنی نہیں کیا جا سکتا، یہ بات بظاہر ناپسندیدہ ہے لیکن اس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت میں اصولوں پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی عادت والی بات مضمر ہے۔

اس کے بعد بندہ بقرۂ عید کی چھٹی پر گھر چلا گیا، عید کے بعد مدرسہ عین العلوم مسلم آباد (برہمن فارہ) شمالی فقیرہ بازار میں جماعت ہفتم اور جماعت ششم کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد جماعت پنجم کی تعلیم دارالعلوم سعد اللہ سر میں مکمل کرکے جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں جماعت چہارم اور جماعت سوم ودوم وموقوف علیہ کی تعلیم حاصل کی، اس بعد پاکستان چلا گیا اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں دورۂ حدیث کی تعلیم مکمل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد تدریسی خدمت انجام دینے کے دوران کراچی میں حضرت مولانا سعید عالم ریدوی صاحب رحمہ اللہ سے مدرسہ دارالعلوم حسینیہ کراچی میں اچانک ملاقات ہوگئی، مولانا مرحوم حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد براہِ کراچی رنگون واپس تشریف لے جارہے تھے، بندہ ناچیز کو حضرت کے شدید اصرار پر ڈھاکہ تک رفیق سفر بننے

کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت وہاں سے رنگون تشریف لے گئے اور مجھے دار العلوم میانجاپور کی زیارت کا حکم دے دیا، چنانچہ تعمیل حکم پر میں ڈھاکہ سے سفر ارکان پر روانہ ہوا، وہاں ڈھاکہ میں مولانا زبیر احمد صاحب اور مولانا نور الاسلام صاحب مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی، چنانچہ ان دونوں کی معیت ورہنمائی میں براہِ کوانچی بنگ گدورا بازار پہنچا، وہاں سے بذریعہ کشتی مدرسہ میانجانفور پہنچا اور اس طرح طویل جدائی کے بعد حضرت مفتی سلطان صاحب مرحوم سے ملاقات ہوگئی، ویسے ایک یا دو رات حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے کمرہ میں قیام کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت کو میں نے جس طرح اصولوں پر مضبوطی سے عمل پیرا پایا تھا، اب اس سے بھی زیادہ منکسر المزاج اور متواضع پایا تھا، جس کی ایک مثال درج ذیل سطور میں ملاحظہ ہو کہ:

> ”شدید سردی کا موسم تھا، مجھے نماز فجر کی ادائیگی کے لئے نہانے کی ضرورت پیش آئی، اب میں حیران وپریشان سوچ بچار میں تھا کہ اچانک حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مجھے اشارۃ فرمایا اگر غسل کی ضرورت ہے تو گرم پانی تیار کیا جائے گا، اب میں ہی سوچتا رہ گیا کہ حضرت مفتی صاحب کو کس طرح محسوس ہوا کہ مجھے غسل کی ضرورت پیش آگئی ہے، پھر تعجب کی انتہا ہوگئی تھی کہ حضرت نے بذات خود پانی گرم کرکے غسل خانہ میں رکھ دیا تھا“۔

اس کے بعد آپ نے مجھے نہایت گرمجوشی سے الوداع کرتے ہوئے تین طالب علموں کو واپسی میں میری رہبری کے لئے مقرر فرمادیا، اس طرح پر امن اور محفوظ طریقہ سے میں اپنی منزل پر پہنچ گیا، آج بھی مجھے حضرت کی شان تواضع اور مہمان نوازی کا انوکھا انداز یاد آتا ہے۔

اس کے بعد اور ایک واقعہ ہے کہ میری سب سے بڑی ہمشیرہ جنابہ ماجدہ خاتون صاحبہ اور ان کا شوہر جناب سید حسین صاحب مرحوم اور پیارے بھانجے اور بھانجیوں سے ملاقات کی

غرض سے برادر محترم مولانا زبیر احمد بن مولانا سعید عالم صاحب کی رفاقت میں شمالی بلی بازار میں محلہ ریدہ پہنچ گیا، یہ جمعہ کا دن تھا، نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں حاضر ہوا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ آج خطبۂ جمعہ اور امامت کے فرائض تمہی انجام دینا ہے، چونکہ میرا یہ سفر خفیہ تھا، اس لئے میں نے اپنی مجبوری کی بنیاد پر معذرت کر لی تھی۔

یہ ایک یقینی بات ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے اندر اپنے شاگردوں اور عزیزوں کو آگے بڑھانے کا مخلصانہ جذبہ موجود تھا، مجھے چند سالوں کے بعد حکومت بنگلا دیش کے ایک روزہ خصوصی اجازت نامہ کی بنیاد پر اسپیشل اسٹیمر کے ذریعے مادر وطن کے سفر کی سعادت نصیب ہوئی ، چونکہ میری بڑی ہمشیرہ جنابہ ماجدہ خاتون صاحبہ کی شادی حضرت مفتی سلطان احمد صاحب رحمہ اللہ کے بھانجہ جناب سید حسین بن علی اکبر سے ہوئی تھی، ویسے میں نے اپنے اس سفر کو صرف اور صرف اپنی ہمشیرہ اور بھانجے بھانجیوں سے ملاقات پر منحصر کر رکھا تھا، غالبا حضرت مفتی کو اطلاع ملی کہ میں ریدہ میں موجود ہوں اور شیڈول کے مطابق مغرب سے قبل میری واپسی ہے ، مجھے ان کے داماد محترم مولانا نور عالم صاحب نے بتایا کہ حضرت مفتی صاحب شدید بے چینی سے میری ملاقات کے منتظر ہیں، لہذا میں مغرب سے پہلے اپنی ہمشیرہ وغیرہا سے الوداعی ملاقات کر کے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ، چوں کہ میری واپسی کا ٹائم ہو چکا تھا ، اس لئے میں حضرت سے کھڑے کھڑے ملاقات کر کے الوداع ہونے لگا، چونکہ حضرت مجھ ناچیز کو دار العلوم میانجانپور سے اپنی علیحدگی کی داستان سنانے کے لئے شدید بے چین تھے، ویسے اپنی علالت اور ضعف جسمانی کے باوجود اپنی لاٹھی تھام کر اپنے گھر ریدہ سے تقریباً دو کیلو میٹر پیدل چلے بلی بازار تک اپنی دردناک حالات بیان کرتے ہوئے میرے ساتھ تشریف لائے ، آخر میں حضرت مفتی صاحب نے بندہ ناچیز سے مشورہ طلب فرمایا کہ اس وقت کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے ، میں نے حضرت مفتی

صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ آپ دار العلوم میانجانپور واپس جانے کی فکر ترک کر دیں ، اور اپنے گاؤں ریدہ میں ہی ایک مدرسہ کی بنیاد رکھیں ، ایسا مشورہ دے کر بندہ ان کو الوداع کہہ کے بذریعۂ کشتی بنگلا دیش کے شہر نہلا پہنچ گیا تھا۔

واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب نے اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا سعید عالم بن مولانا عبد الحکیم صاحب کو ساتھ لے کر اپنے گاؤں ریدہ میں (الادارۃ الاسلامیۃ) کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھ دی ، ماشاء اللہ ان دونوں حضرات کے اخلاص اور للّٰہیت کی بدولت بڑی مختصر مدت میں ملک و بیرون ملک میں اس مدرسہ کی خوب شہرت ہوئی، جس میں ان دونوں حضرات نے تادم آخر دین اسلام کی خدمت کی تھی۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں اپنے تمام نیک اعمال کے بہترین بدلے عطا فرمائیں، آمین۔

جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب کے شاگرد رشید، معتمد خاص اور جیون بھر کے دست راست ، داعی الی اللہ حضرت العلامہ جناب مولانا سعید عالم صاحب ریدویؒ جنہیں حضرت مہتمم صاحب کے نام سے جانا اور پہنچانا جاتا تھا اور ممکن ہے کہ اب بھی جاتا ہو بڑے نیک ، پارسا اور نہایت خلیق انسان تھے، آپ سے میری رفاقت کی طول طویل داستان سے قطع نظر کہنا یہی چاہتا ہوں کہ علم وعمل اور خدمت خلق اور دین و دعوت کے اعتبار سے آپ اپنے وقت میں ایک عظیم المرتبت انسان تھے، جنہوں اپنی تقریبا پوری زندگی کو علم دین کی خدمات اور دعوت وارشاد میں گزار دیا تھا، یوں آپ کے اپنے ملک میں ہزاروں تلامذہ ہیں، اور چوں کہ آپ نے دعوت وارشاد کے حوالے سے اپنی مستعار زندگی میں ملک اور بیرون ملک کے بہتوں سفر فرمائے تھے، ویسے برما و بنگلا دیش کے علاوہ بھی بطور خاص پاکستان، متحدہ عرب امارات اور مملکتِ سعودی عرب وغیرہ میں آپ کے انگنت چاہنے والے اور مداح پائے جاتے ہیں، میرے نزدیک اخلاق حسنہ کے اعتبار

سے حضرت مہتمم صاحب ایک مثالی انسان تھے، ایسے عالم و عامل انسان کو بلا شبہ ولی اللہ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے، امید ہے کہ اللہ تعالی ان ہمارے عظیم المرتبت شیخ کامل کو اولیاء اللہ میں شامل کرتے ہوئے ان کے درجات کو بلند فرئیں گے، اور جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ : "الا ءان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون" کے مصداق بنائیں گے۔ھذا و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و آله و صحبه اجمعین۔

وکتبہ:

نور الاسلام آلِ سعید

١٦/ ٠٤/ ٢٠٢٦ء

اس کتاب کے مولف

صاحبزادۂ گرامی محترم مولانا نازبیراحمد صاحب

ایک نظر میں:

زیر نظر کتاب کے مولف، قابل قدر مدرس، معلم و داعی الی اللہ محترم مولانا زبیر احمد بن حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدوی، بلی بازاری، منگڈوی میری نظر میں ایک سعادت مند عالم دین ہیں جنہوں نے اپنے قلم سے اپنے والد گرامی حضرت مولانا سعید عالم صاحب ریدویؒ کے علاوہ سرزمین ارکان کے عظیم عالم دین حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی بانی مدرسہ دارالعلوم میانجانپور کے حالات پر مشتمل ایک گرانمایہ کتاب لکھ کر نہ صرف ہم جیسے ہیچ مدانوں پر بلکہ سرزمین ارکان علماء اور طلباء پر بھاری احسان کیا ہے، اللہ تعالی مولانا کی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی قلمی کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

گرانقدر عالم دین اور معلم و داعی الی اللہ مولانا زبیر احمد بن مولانا سعید عالم بن مولانا عبدالحکیم بن میانجي عظیم الدین بن مبانجی صلاح الدین بن میانجی علاء الدین بن میانجي تراب الدین صاحب شمالی منگڈو کی بستی ریدہ مضافاتِ بلی بازار میں ٢/ جمادی الاولی/ ١٣٧٨ھ بمطابق ١٣/ ١١/ ١٩٥٨ء کی صبح صادق، بروز جمعہ پیدا ہوئے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی بستی کے محلہ والے مکتب میں پائی، اس کے بعد اپنے قابل قدر والد گرامی خطیب ارکان حضرت مولانا سعید عالم صاحب (معروف بہ مہتمم صاحب) کے علاوہ سرزمین ارکان کے عظیم المرتبت عالم دین، شیخ الحدیث و مفتی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی کی زیر نگرانی دارالعلوم میانجانپور میں متوسطہ، ثانویہ اور دورۂ حدیث کی دینی تعلیم حاصل کی، چنانچہ آپ نے اسی محسن ادارہ میں پڑھ کر ١٤٠٢ھ میں سند فراغت حاصل کی، ماشاء اللہ آپ کی یہ بھی ایک سعادت

مندی تھی کہ آپ نے جب سے اس ادارہ میں داخلہ لیا تب سے آپ اپنی فراغت تک جماعت میں اول پوزیشن میں رہے تھے۔

مولانا زبیر احمد صاحب فراغت کے معا بعد آپ اسی مادر علمی دارالعلوم میانجاپنور میں مدرس مقرر ہوئے، جہاں آپ نے شبانہ روز کی مخلصانہ محنت کے ساتھ مسلسل آٹھ سالوں تک خدمات سر انجام دیں، یہاں آپ نے تدریسی خدمات کے تہہ بتہہ مختلف انتظامی ذمے داریاں بھی نبھائیں، جن میں بستانِ دار العلوم کی نگرانی، بنائے نئے دار الحدیث، بنائے درسگاہ وحفظ خانہ، مدرسہ کی پختہ جامع مسجد کی تعمیر اور معمار و مزدوروں کی نگرانی اور ان کے حسابات نا قابلِ فراموش خدمات ہیں، علاوہ ازیں آپ بطور خاص اپنے عظیم استاد و مربی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی بانئ مدرسہ کے سفر وحضر کے ساتھی بھی رہ چکے تھے، حضرت مولانا مفتی سلطان احمد صاحب مدرسہ کے باہر جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے تو مولانا زبیر احمد صاحب ان کے رفیق سفر ہوا کرتے تھے، اس حوالے سے کچھ باتیں سطور بالا میں گزر چکی ہیں۔

ابھی مولانا زبیر احمد صاحب کی تدریسی خدمات کی عمر پانچ سال ہوئے تو اس دارالعلوم کی مجلس شوری نے آپ کو قائم مقام مہتمم مقرر کیا، جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ آپ کی ذمے داریوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا، اس ذمے داری کے بعد آئے دن اندرون اور بیرون وطن کا سفر پیش آتا رہا تھا، چنانچہ اس سلسلے میں ایک مرتبہ سن ۱۴۰۴ھ اور دوسری مرتبہ سن ۱۴۰۷ھ میں آپ نے مدرسہ کی تحصیلات کے حوالے سے حجاز مقدس کا سفر کیا، ماشاء اللہ ان اسفار میں کامیابیوں نے آپ کا قدم چوما تھا، اور آپ بڑی حد تک سرخرو ہو کے وطن واپس لوٹے تھے۔

آپ کی تدریسی خدمات کے حوالے سے مختصرا اتنی سی بات عرض ہے کہ ابتدا میں آپ کے حصے میں نحو وصرف، فقہ اور منطق کی کتابیں آئی تھیں، جن میں: ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، قدوری، شرح الوقایہ، نورالایضاح، شرح تہذیب، قطبی، ملاحسن، سراجی، قابل ذکر ہیں۔

مولانا زبیر احمد صاحب نے دارالعلوم میانجاپنور میں مسلسل آٹھ سالوں تک خدمات انجام دینے کے بعد سعودی عرب کی طرف ہجرت کی، اور جدہ کی معروف ومشہور بستی کیلو ۱۴/ میں مقیم ہو گئے، وہیں بھی آپ نے درس وتدریس کا مشغلہ شروع کیا، چنانچہ آپ نے حجاز مقدس کے معروف شہر جدہ کی بستی کیلو ۱۴/ کے مدرسہ "دارالعلوم توحیدیہ خیریہ" میں بڑے اخلاص وللہیت کے ساتھ ۳۳/ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں آپ نے توحید، فقہ، حدیث، ادب عربی، ریاضی، جغرافیہ اور تاریخ جیسے مختلف مضامین پڑھاتے رہے تھے، یہاں بھی آپ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ دیگر انتظامی امور کی ذمے داریاں بھی نبھاتی رہیں، جو آپ کے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا نور عالم صاحب سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم میانجاپنور کی طرف سے ان پر سپرد ہوئی تھیں، اس درس گاہ میں عرصۂ دراز تک حضرت مولانا نور عالم صاحب مدیر اور مولانا زبیر احمد صاحب وکیل رہ چکے تھے، حسابات مدرسہ کے علاوہ طلباء کی تسجیلات کی ذمے داریاں آپ کے سپرد تھیں، غرض یہاں آپ نے مسلسل ۳۳/ سالوں تک خدمات انجام دیں، اس کے بعد مملکت نے اس مدرسہ کے علاقے جیسے علاقہ جات کو شاید بعض انتظامی امور کے پیش نظر ہو کہ اجھاڑ دیا تو آپ بغیر مدرسہ کے ہو گئے، لیکن اللہ تعالی نے آپ کو اور ایک روشن دینی اور ضروری خدمات کے لئے چن لیا ہے، ماشاء اللہ تعالی آج کل آپ وہاں تبلیغ دین کی خدمات بڑی تندہی اور خاصے اخلاص وللہیت کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں، جو راقم سطور کے نزدیک بڑی اہمیت کے حامل ایک دینی، ایمانی وروحانی فریضہ ہے، اللہ تعالی آپ کی زندگی کو جس طرح ماضی میں اسلام اور مسلمانوں کی خاطر قبول کیا، اسی طرح مستقبل کو بھی بقیہ حیات درازی کے ساتھ قبول فرمائے، آمین۔

مولانا زبیر احمد صاحب نے ۱۴۰۲ھ میں شادی کی سنت ادا کی، آپ کی اہلیہ بھی ماشاء اللہ تعالی شنید ہے کہ ایک قابل قدر اسلامی خیال اور دین سے ناطے رکھنے والی خاتون

ہیں، ماشاء اللہ تعالیٰ جو راقم سطور کی رشتہ داروں میں ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ صاحب مرحوم دھودائنگی کے بھائی او کٹا سراج الاسلام صاحب کی صاحب زادی ہیں، جو ماشاء اللہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ سعودی عرب کے شہر جدہ میں اپنے لائق شوہر کے ساتھ مقیم ہیں، جن کے بطن سے چھ صاحب زادے اور ایک صاحب زادی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سب کے سب حافظ القرآن ہیں، ان میں سے دو صاحب زادے جامعہ کے متخرج اور باقی سب ثانویہ تک کے تعلیم یافتہ ہیں، تقریباً تمام کے تمام مسجد کے امام ہیں، اور صرف ایک صاحب زادہ کو چھوڑ کر ان سب کی شادیاں بھی ہو چکی ہیں، ان کے اسماء کے ساتھ اجمال بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) مرغوب زبیر احمد: مولود ۱۳/۱۱/۱۴۰۳ھ موافق ۲۱/۸/۱۹۸۳ء شب منگل ڈھائی بجے ہے، جدہ کے حی الشاطی والی جامع الخیر جامع مسجد کے موذن اور نائب امام ہے، شادی کے سترہ سال بعد اس کے گھر اسی سال ایک لڑکی پیدا ہوئی، اللہ تعالیٰ حیات دراز کرے۔

(۲) شفیق زبیر احمد: مولود ۲۲/۰۳/۱۴۰۶ھ موافق ۰۴/۱۲/۱۹۸۵ء شب جمعہ دس بجے ہے، جدہ کے حی الشاطی کی جامع مسجد ''تقوی'' کے موذن اور نائب امام ہے، دو لڑکے اور دو لڑکیوں کا باپ ہے، اللہ تعالیٰ مزید برکت دے۔

(۳) حبیب زبیر احمد: مولود ۱۰/۰۷/۱۴۰۷ھ موافق ۱۰/۰۳/۱۹۸۷ء شب بدھ ہے، اس نے تحفیظ اور ثانویہ سے فراغت کے بعد جامعۃ العربیۃ المفتوحۃ سے بھی تخرج حاصل کیا ہے، آج کل جامعۃ جلالۃ الملک خالد بن عبد العزیز جدہ کا موذن اور نائب امام ہے، ماشاء اللہ چار لڑکیوں کا باپ ہے، اللہ تعالیٰ حیات دراز کرے۔

(۴) حمید زبیر احمد: مولود ۲۳/۰۱/۱۴۱۰ھ موافق ۲۴/۰۸/۱۹۸۹ء بروز سنیچر صبح پانچ بجے، تحفیظ اور ثانویہ سے فراغت کے بعد جامعۃ الملک عبد العزیز سے بھی متخرج

ہے، حالیا شرکۃ الراجحی جدہ میں کمپیوٹر سکشن کا موظف ہے، دو لڑکے اور ایک لڑکی کا باپ ہے۔

(۵) حبیبہ زبیر احمد: مولودہ ۰۸/۱۰/۱۴۱۹ھ موافق ۲۵/۰۱/۱۹۹۹ء ہے، ثانویہ سے فراغت کے بعد اس کا نکاح استاد رضوان محمود (جو تحفیظ اور ثانویہ سے فراغت کے بعد جامعۃ ام القری مکہ المکرمہ کے کلیۃ الشریعۃ سے فارغ التحصیل اور جو آج کل تحفیظ القرآن کی خدمات کے ساتھ کمپیوٹر کے کاموں میں مشغول ہے) سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیک اولاد عطا کرے۔

(۶) محمود زبیر احمد: مولود ۲۳/۰۵/۱۴۲۰ھ موافق ۰۳/۰۹/۱۹۹۹ء ہے، تحفیظ القرآن اور ثانویہ سے فراغ التحصیل ہے، آج کل جامع الزعار کا نائب موذن اور نائب امام ہے، علاوہ ازیں تحفیظ القرن کا مدرس بھی ہے، آج سے ڈیڑھ سال پہلے اس کے ایک لڑکے کا انتقال ہو چکا ہے، اب ایک لڑکی کا باپ ہے، اللہ تعالیٰ حیات دراز کرے۔

(۷) محمد زبیر احمد: مولود ۱۶/۰۹/۱۴۲۴ھ موافق ۱۰/۱۱/۲۰۰۳ء ہے، مولانا زبیر احمد صاحب کی اولاد میں یہ سب سے چھوٹا اور آج تک کے لئے آخری ہے، اس نے پڑھائی تو ختم کی لیکن شادی کے لئے ایک نیک صفات والی لڑکی کی تلاش ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حیات دراز فرمائے۔

مولانا زبیر احمد صاحب کے حوالے سے تفصیلات لکھنی ہوں تو ایک وسیع دفتر کی ضرورت ہے، لیکن اس عجالے میں اتنی سی باتوں پر بس ہے کہ: ماشاء اللہ تعالیٰ:

ایں خانہ تمام آفتاب است

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا زبیر احمد صاحب اور ان کی جملہ اولاد کو دین وایمان اور خدماتِ اسلام کے لئے قبول کرے، آمین یا رب العالمین۔

بقلم خاکسار/

محمد طاہر جمال ندوی

چاٹگام، بنگلا دیش۔

محمد طاہر جمال ندوی کی بعض مطبوعہ اورغیر مطبوعہ تصانیف

سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی	سازش کا طوفان عقلیت ومادیت کے روپ میں
روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے	تذکرۂ علامہ سید الامینؒ
تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ	روہنگیا مسلمان اوران کی ہجرت کے اسباب
ارکان کے عظیم شاعر علاول، حیات وکارنامے	اارکان روہنگیا یونین، ماضی اورحال کے تناظر میں
روہنگیا چیخ وپکار اورمطالبات (ترجمہ)	حیاتِ نور
وادیٔ پرخار کے گمنام مسافر	سالارِ کارواں محمد جعفر حبیبؒ
سرحیل کارواں	ارکان کے مسلمان موت وحیات کی کشمکش میں
روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اورفکری جائزہ	روداد سخن
خورشیدِ تاباں	اارکان کا جغرافیہ
سفراورکامیابیاں	اارکان کے چند ندوی فضلاء
حیاتِ ڈاکٹر محمد یونس	علماء اورجمعیت علمائے ارکان
مقالاتِ طاہر ندوی	نقوشِ حیات
مدارس اسلامیہ کا نصاب ونظام اورجدید تقاضے	دونظام تعلیم
دیوان طاہر	ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن(ARNO)
ارکان میں خانہ جنگی کا دوردورہ	شعرائے ارکان
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۱)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۲)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۳)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۴)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۵)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۶)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۷)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۸)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۹)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۱۰)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۱۱)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد(۱۲)

حريطة ارض اركان المحتلة